

شیخ ضیاء الدین سہروردی

ادب المریدین

آٹھ صدی سے مشائخ صوفیہ کا دستور اہل

الکلمۃ
الکبریٰ
فی
تذکیرہم
بکلیہم

تصوف فاؤنڈیشن

۱۴۱۹ھ

آداب المریدین

آٹھ صدی سے مشائخ صوفیہ کا دستورِ عمل

مصنف

شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر گیلانی

۸۴۹۰ — ۵۶۲۳

مترجم

محمد عبد الباقی

بسعی و اہتمام

ابوالنجیب حاجی محمد ارشد قریشی، بانی تصوف فاؤنڈیشن

○

تصوف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

۲۴۹ - این سمن آباد - لاہور - پاکستان

کلاسیک کتب تصوف : سلسلہ اُردو تراجم

○
جملہ حقوق بحق تصوف فاؤنڈیشن محفوظ ہیں © ۱۹۹۸ء

- ناشر : ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی
بانی تصوف فاؤنڈیشن - لاہور
- تعاون : کرنل (ر) راجہ محمد یوسف قادری
بانی شان ولایت ٹرسٹ - لاہور
- طابع : زاہد بشیر پرنٹرز - لاہور
- سال اشاعت : ۱۴۱۹ھ — ۱۹۹۸ء
- قیمت : ۷۵ روپے
- تعداد : پانچ سو
- واحد تقسیم کار : المعارف گنج بخش روڈ - لاہور - پاکستان

۴ — ۰۰۶ — ۵۰۶ — ۹۶۹ — آئی ایس بی این

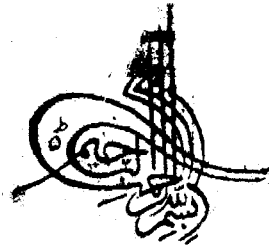
○

تصوف فاؤنڈیشن ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور نعت ہجر کو ایصال ثواب کے لئے بطور صدقہ جاریہ روایہ کار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب سنت اور سلف صالحین بزرگان دین کی تعلیمات کے مطابق تبلیغ دین و تحقیق و اشاعت کتب تصوف کے لئے وقف ہے

فہرست

صفحہ	مضمون	فصل
۵	پیشِ نَفْظ	
۹	صفاتِ الٰہی	۱
۱۰	صفاتِ تشاہدات کے متعلق صوفیہ کا عقیدہ	۲
	قرآن کے متعلق عقیدہ	۳
	رویتِ باری تعالیٰ	۴
	جنت و دوزخ	۵
۱۳	خلقِ افعال و قضا و قدر	۶
	حلال روزی کی طلب فرض ہے	۷
۱۶	مسائل متعلق ایمان	۸
۱۷	کسب و تجارت کے متعلق حکم	۹
۱۷	فقر بہتر ہے یا غنا؟	۱۰
۱۹	فقر کے معنی	۱۱
۱۹	تزکِ معاش کب افضل ہے؟	۱۲
۲۰	سعادت و شقاوت ازلی ہیں	۱۳
۲۱	کراماتِ اولیاء اور معجزہ کا فرق	۱۴
۲۲	لباس کے احکام	۱۵
۲۳	تلاوتِ قرآن اور شعر خوانی اور سماع کے احکام	۱۶
۲۷	دین کے علم و عمل کے متعلق	۱۷
۲۹	تصوف کے بارے میں صوفیہ کے اقوال	۱۸
۳۰	احکامِ مذہب کے بیان میں	۱۹

۳۴	صوفیہ کی بزرگ ترین فضیلتیں ان کے اخلاق ہیں	۲۰
۳۶	مقامات	۲۱
۳۷	احوال	۲۲
۳۹	اختلاف مساکم ہیں	۲۳
۴۰	صوفیہ کے اقوال عالم کی فضیلت کے بارے میں	۲۴
۴۱	صوفیہ کے آداب گفتگو اور طریقہ مخاطبت کے بیان میں	۲۵
۴۴	شیطیات	۲۶
۴۶	مرید ابتدائی حالت میں کن آداب کو ملحوظ رکھے؟	۲۷
۵۵	مرامات نفس کے بارے میں	۲۸
۵۸	آداب صحبت کے بیان میں	۲۹
۷۹	آداب ملاقات کے بیان میں	۳۰
۸۲	آداب سفر کے بیان میں	۳۱
۸۸	سابقہ فصل کا تتمہ	۳۲
۸۹	آداب لباس میں	۳۳
۹۲	کھانے کے آداب میں	۳۴
۹۸	آداب نوم (نہیند) کے بیان میں	۳۵
۱۰۱	آداب سماع کے بیان میں	۳۶
۱۱۳	آداب تزویج کے بیان میں	۳۷
۱۱۷	آداب سوال کے بیان میں	۳۸
۱۲۰	آداب صوفیہ بحالت مرض	۳۹
۱۲۲	حالت موت کے آداب کے بیان میں	۴۰
۱۲۷	آداب صوفیہ بوقت آفت و مصیبت	۴۱
۱۳۴	نرخستوں کے آداب کا بیان	۴۲



پیش لفظ

جس زمانہ میں راقم الحروف بہ تقریب ملازمت گلبرگہ شریف میں تھا۔ اس وقت نواب غوث یار جنگ بچیدیت صوبہ اروہاں کا فرما تھے اور درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی درستی و زیالشی و آرائشی کی طرف بطور خاص متوجہ تھے۔ راقم نے ان کو توجہ دلائی کہ جہاں درگاہ کی ظاہری حالت کو درست کرنے کی جانب اس قدر روپیہ صرف کیا جا رہا ہے وہاں غولبرہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصانیف کی طبع و اشاعت پر بھی اگر کچھ رقم صرف کی جائے تو ان کی تعلیم و ارشادات سے لوگوں کو استفادہ کا موقع ملے گا۔

صاحب موصوف نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور نہ صرف خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصانیف کو جمع کرنے کی جانب توجہ فرمائی بلکہ مختلف مشائخین کے خاندانوں سے ان کے اسلات کے ذریعہ کتب کو جو معرض تلف میں تھا فراہم کرنے کی سعی فرمائی اور اس کام کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس کا مقصد اس خاکسار کو نامزد کیا گیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک اچھی خاصی تعداد کتابوں کی فراہم ہو گئی اور روضہ مبارک خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حصہ میں کتب خانہ کا باضابطہ افتتاح کیا گیا اور خاکسار نے مجتمعہ کتابوں کی فہرست فن دار مرتب کی۔

مجر کو بعض ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ مولوی عطاء حسین صاحب مرحوم اور نواب معشوق یار بنگالہ ہمارے کو تصوف کی کتابوں سے شغف ہے اور انہوں نے ایک معقول ذخیرہ ان کتابوں کا اپنے پاس جمع کر لیا ہے جس میں حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ کی تصانیف کا ذخیرہ بھی ہے۔

چنانچہ مولوی عطاء حسین صاحب جب عرس کے موقع پر تشریف لائے تو ان کو اس تجویز سے واقف کرایا گیا اور وہ بخوشی اس کام میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہو گئے اور ان کی رائے کے مطابق ترجمہ ”آداب المریدین“ کو جو خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی ایک اہم تصنیف ہے شائع کرنے کا تصفیہ کیا گیا اور درگاہ کے مجبٹ سے اس کی طبع و اشاعت کے اخراجات کی منظوری دی گئی۔

”آداب المریدین“ کا ایک نہایت صحیح نسخہ جو شیخ احمد سحروردی مشہور خطاط کے ہاتھ کا لکھا ہوا والد مرحوم کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ میں نے اس کی نشان دہی کی۔ صاحب موصوف نے میرے برادر بزرگوار مولوی حسین عبدالمنعم صاحب مرحوم وظیفہ یاب صدر محاسب سرکار عالی سے وہ نسخہ حاصل کر کے اس کی تصحیح فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود مطبوعہ نسخہ میں نہ صرف کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں بلکہ کہیں کہیں کاتب نے عربی سے ناواقفیت کی بنا پر اصل متن کو بھی مسخ کر دیا۔

آج سے آٹھ دس سال قبل مجھ کو اصل کتاب ”آداب المریدین“ کے ترجمہ کا خیال ہوا اور میں نے چاہا کہ اس مذکورہ نسخہ سے متبادر کر کے اصل متن کی تصحیح کروں۔ لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو وہ نسخہ نہ مل سکا تاہم میں نے حتی الامکان اپنی فہم اور استعداد کی موجب ترجمہ کرتے وقت اس کی تصحیح کی۔ باوجود اس کے کئی مقامات محل طلب رہ گئے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کئی بار فرمایا لیکن ہر وقت جس کسی کے ہاتھ لگا اس نے اس کو واپس نہیں کیا۔ سب سے اخیر ترجمہ وہ ہے جس کو مولوی عطاء حسین صاحب مرحوم نے شائع

(۱) آخر مرتبہ جو شہد ۱۳۸۳ھ میں لکھی گئی اس کا ایک نسخہ گلہ کے رائل ایڈیٹنگ سوسائٹی (باقی اگلے صفحہ پر)

فرمایا ہے۔ ان کو اعتراف ہے کہ باوجود کوشش بلیغ کے کئی مقامات تصحیح طلب گئے ہیں۔
مثنائیں کرام کے پاس یہ کتاب بطور دستور العمل صوفیہ بھی جاتی ہے اور سلوک کے
تمام ابواب کا اس میں ذکر ہے۔

آداب المریدین کے مصنف کا نام عبدالقادر، کنیت ابوالنجیب اور لقب
ضیاء الدین ہے۔ سہرورد، جو شہر زنجان کا ایک قریہ ہے وہاں ۴۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔
بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں جہاں سے اکابر علماء فیضیاب ہو کر نکلے ہیں، علوم ظاہری کی
تکمیل کی۔ اس زمانہ کے اولیاء اللہ سے فیض باطنی حاصل کیا۔ مدرسہ نظامیہ میں بھی درس
دیا ہے۔ اس کے بعد خود اپنے لیے بغداد میں ایک مدرسہ اور رہا طائفہ کی اور طالبان علم
کی تربیت و تعلیم میں مصروف رہے۔ ۵۶۳ھ میں وفات پائی اور مدرسہ ہی میں دفن
ہوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جن سے سلسلہ سہروردیہ چلا
آپ ہی کے حقیقی تھے۔ سلاطین آصفیہ کا سلسلہ بھی انہی سے جا کر ملتا ہے۔

مصنف کا طریقہ بیان یہ ہے کہ پہلے وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سے استدلال
فرماتے ہیں اس کے بعد حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ پھر اساطین صوفیہ کے اقوال سے
استناد و استشہاد کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ کتاب اس زمانہ کے صوفیہ کرام کے اعتقادات اور معاشرت اور
سلوک اور اس کے آداب کا مرقع ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ چوتھی اور پانچویں
صدی ہجری میں تصوف کا کیا مفہوم تھا اور صوفیہ کا طریق عمل کیا تھا اور مختلف طبقات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے کتب خانہ میں ہے اور ہندوستان میں شاید اب بھی ایک نسخہ باقی ہے۔ فارسی شرح کا
ایک نسخہ بلا لندن کے برٹش میوزیم میں بھی ہے۔ مقدمہ فارسی ترجمہ آداب المریدین مطبوعہ و
مرتبہ سید مولوی عطاء حسین حیدر آباد۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے فارسی ترجمہ 'آداب المریدین' مطبوعہ و مرتبہ مولوی سیوطا حسین صاحب ۱۰۰۰

ساتھ اُن کا سلوک کس طرح تھا۔ راہِ طہیقت کو اختیار کرنے اور اس پر چلنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک دستور العمل ہی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے بھی جو کسی ملک اور طبقہ کی کچل چل اسٹڈی سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ کتاب معتدبہ مواد فراہم کرتی ہے۔

کتاب متعدد فصول پر تقسیم کی گئی ہے لیکن ان کے عنوانات اکثر جگہ متروک تھے، اس لئے مترجم نے پھر سے ان عنوانات کو قائم کیا ہے اور اس کی فہرست بھی مرتب کی جن صوفیہ کا ذکر اس کتاب میں ہے یا ان کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، حواشی میں ان کی مراد سن مولود و وفات کے ساتھ دے دی گئی ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ جو تھا ترجمہ ہے جو انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔

مولوی عطا حسین صاحب مرحوم کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اصل کتاب کی ایک عربی شرح بھی لکھی تھی لیکن اب وہ مفقود ہے۔ البتہ حضرت شرف الدین یحییٰ میسرہ کی شرح پٹنہ اور گیلا علاقہ میں بعض اصحاب کے پاس پائی جاتی ہے اور اس کو پٹنہ کے ایک مطبع نے طبع کرنا بھی شروع کیا تھا لیکن اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ افسوس ہے کہ یہ شرح ہماری نظر سے نہیں گزری۔

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کے ساتھ مزید تشریح کے لئے کچھ افادات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مترجم نے بقدر ضرورت ان سے استفادہ کیا ہے اور حاشیہ پر اس کا مختص درج کر دیا ہے۔ اس طرح یہ ترجمہ اُن تشریحات پر بھی حاوی ہے جو حضرت نے اپنے ترجمہ میں تحریر فرمائی ہیں۔

ترجمہ ہذا نہ بالکل غلطی ہے اور نہ بالکل آزاد، بلکہ حتی الامکان الفاظ کی رعایت کے ساتھ واضح عبارت میں مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جگہ جگہ حاشیہ میں اصطلاحات اور معنی و مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ طالبانِ تصوف اور سالکانِ راہِ طہیقت اس سے استفادہ فرما کر مصنف، مترجم اور ناشر کو مائے خیر سے یاد کریں گے۔ خاکسار: محمد عبد الباقی



صفات الہی

صوفیہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی ضد^(۱) ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی اس کا مشابہ ہے وہ ان صفات سے موصوف ہے جو اس نے اپنے لیے بیان کئے اور ان ناموں سے پکارا جائے جو اس نے اپنے لیے نامزد کیے ہیں۔

وہ جسم نہیں ہے کیونکہ جسم مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا وہ کسی ترکیب دینے والے کا محتاج ہوگا اور نہ وہ جو ہر ہے کیونکہ جو ہر کے لیے متمیز ہونا ضروری ہے بلکہ وہ ہر ایک متمیز کا کسی جگہ میں رہنے والی چیز (جگہ) کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ نہ عرض ہے کیونکہ عرض کے لئے دو زمانے درکار ہیں اور خدا سے تعالیٰ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور وہ ایسا بھی نہیں ہے کہ دو چیزوں کے ذریعہ جمع کر دیا گیا ہو یا دو چیزوں کے ذریعہ جدا کر دیا گیا ہو اور نہ اس کے اجزاء ہیں نہ اس کو کوئی ذکر پریشان کرتا ہے اور نہ اس کو کوئی فکر لاحق ہوتی ہے۔ نہ عبارتوں سے اس کو بیان کیا جاسکتا ہے

(۱) ضد اس وجہ سے نہیں کہ ضد ہونے کی صورت میں مقابلہ ہوگا اور اللہ کا کوئی مقابل نہیں ہو سکتا اور ضد کی صورت میں دو وجود تسلیم کرنے پڑیں گے اور صوفیہ ایک ہی وجود کے قائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(۲) یعنی کسی جگہ ہونا ضروری ہے۔

اور نہ اشارات سے اس کا تعین کیا جاسکتا ہے نہ انسانی افکار اس کا احاطہ کر سکتی ہیں اور نہ بیناٹیاں اس کو دیکھ سکتی ہیں۔ ہمارا وہم اس کی نسبت جو بھی تصور کرے یا فہم اس کو جیسا بھی سمجھے خدا نے تعالیٰ اس کے سوا ہے اور اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

اگر تم کہو کہ وہ ”کب نہا“ تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کا وجود وقت سے پہلے تھا اور اگر تم کہو کہ وہ ”کیسا ہے“ تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی ذات وصف سے بالاتر ہے۔ تم اس کی نسبت ”کہاں“ ہے نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا وجود مکانیت سے پہلے ہے۔ پھر چہ چیز اس کی بنائی ہوئی ہے اور وہ اس کا سبب و علت ہے اور اس کی بنادٹ گئے کوئی علت و سبب نہیں ہے۔

اس کی ذات کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ اس کے فعل کے لیے کوئی دشواری ہے اور نہ وہ کسی فعل کے لیے معلق ہے۔

وہ انسانی عقولوں سے اسی طرح چھپا ہوا ہے جیسا کہ وہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے کیونکہ عقل اپنی جیسی چیزوں کی طرف رہنمائی کرے گی۔ عقل عبودیت کا آلہ ہے جس کو ربوبیت پر دسترس نہیں ہے۔

اس کی ذات دوسری ذاتوں کی طرح نہیں ہے اور نہ اس کے صفات دوسری صفات کی طرح ہیں۔

اس کی صفت سمع کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور اس کے علم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے (معاذ اللہ) جہل کی نفی کی گئی اور نہ اس کی قدرت کے یہ معنی ہیں کہ اس سے عجز کی نفی کی گئی۔

(۲)

صفات متشابہات کے متعلق صیو کا عقیدہ

صوفیہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

میں خدا کی نسبت منہ ، ہاتھ ، نفس ، سمع ، بصر کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بغیر تمثیل اور تعطیل کے بجائے خود ثابت ہے^(۱)۔

جیسا کہ خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے : لیس کمثلہ شئی و هو السميع البصیر۔
اس کے جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

بعض صوفیہ سے خدا نے تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا : اگر تم اس کی ذات کی نسبت پوچھتے ہو تو وہ لیس کمثلہ شئی (اس جیسا کوئی نہیں) اور اگر اس کی صفات کے متعلق سوال کرتے ہو تو وہ احد ، صمد ، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد (وہ ایک ہے ، حاجت روا ہے ۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے) اور اگر تم اس کے نام کے متعلق سوال کرتے ہو تو وہ :-

”لا الہ الا هو عالم الغیب والشہادۃ هو الرحمن الرحیم“ (کوئی معبود نہیں سوائے اس کے وہ کھلی اور چھپی ہوئی سب باتوں کو جانتا ہے اور وہ رحمن اور رحیم ہے)

اگر تم اس کے فعل کے متعلق سوال کرتے ہو تو وہ ”کلّ یوم ہونی شان“ (وہ ہر روز ایک کام میں ہے)۔

ان کا قول استواء کے متعلق وہی ہے جو مالک بن انس نے کہا تھا جب کہ اس کے متعلق ان سے سوال کیا گیا کہ استواء کے معنی معلوم ہیں اور اس کی کیفیت مجہول (سمجھ سے باہر) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے

(۱) خدا نے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا : ید اللہ فوق یدیہم (خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) نیز فرمایا : ایما تولوا ففتحہ وجہ اللہ (جہہ رقم رخ کرو اور اللہ کا منہ ہے) نیز فرمایا : ویخذ رکبہ اللہ نفسہ (اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے) و هو السميع البصیر (اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

یہی ان کا مذہب نزول کے متعلق ہے۔

(۳)

قرآن کے متعلق عقیدہ

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ وہ ہمارے مصحفوں میں لکھا ہوا ہے اور ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ اس کا کلام اللہ ہونا کتابت اور تلاوت کو متعلق کئے بغیر ثابت ہے کیونکہ احادیث میں اس طرح وارد نہیں ہے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ حروف اور آواز پر مشتمل ہے اس لیے اس کے متعلق خاموش رہنا اور بحث نہ کرنا واجب ہے۔

(۴)

رویت باری

انہوں نے اس بات پر بھی اجماع کیا ہے کہ خدا کا دیدار جنت میں آنکھوں سے ہوگا^(۱)

خدا نے بنیائی سے اور اک کی نفی کی ہے کیونکہ وہ کیفیت و احاطہ کی موجب ہوتی تھی اور رویت کا یہ حال نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن اس

(۱) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے اپنے ترجمہ میں فرماتے ہیں خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو

ان آنکھوں سے دنیا میں خدا کا دیدار دیکھتے ہیں۔ ان کے دل کی آنکھ ظاہری آنکھ میں مقبّل و منکمل ہو جاتی ہے۔

طرح دیکھو گے جس طرح کہ تم چاند کو چودھویں رات میں دیکھتے ہو اور اس میں تم کو کوئی شک و شبہ نہ ہوگا۔ اس حدیث میں نظر کو نظر سے تشبیہ دی گئی ہے، نہ کہ منظور الیہ سے (یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا چاند کی طرح نظر آئے گا بلکہ یہ کیا کہ جس طرح چودھویں رات کو تم چاند کو دیکھ کر کوئی شک و شبہ نہیں کرتے ہو اسی طرح خدا کو بھی دیکھ کر کوئی شک و شبہ نہ کرو گے۔)

— (۵) —

جنت و دوزخ

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جو کچھ خدا نے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جنت اور دوزخ کے متعلق ذکر کیا ہے اس کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح لوح و قلم اور حوض اور پل صراط اور شفاعت اور میزان اور صور کے متعلق۔ نیز اس کی نسبت کہ ایک قوم کو دوزخ سے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے نکالا جائے گا اور مرنے کے بعد مڑدوں کو اٹھایا جائے گا اور جنت اور دوزخ ہمیشہ باقی رہیں گے اور ان میں رہنے والے بھی ہمیشہ رہیں گے نعمتوں سے متمتع ہوتے یا عذاب پاتے ہوئے۔ اہل کبار کے سوا دوسرے مومنین ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

— (۶) —

خلق افعال و قضا و قدر

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے جیسا کہ وہ ان کے ایمان کا خالق ہے۔ جیسا کہ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے

واللہ خلقکم وما تعملون۔ (اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے)
 اور تمام مخلوقات اپنے وقت پر مریں گے اور مقتول اپنی موت سے مرنا ہے
 اور شرک اور گناہ سب اس کے تقضا و قدر سے ہیں۔ اس طرح کہ کسی مخلوق کو اللہ پر
 حجت لانے کا موقع نہیں ہے بلکہ اللہ کی حجت ہی پوری ہو کر رہے گی اور وہ اپنے
 بندوں کے لیے کفر اور گناہ کو پسند نہیں کرتا اور پسند اور ہے اور ارادہ اور ہے۔
 وہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ کسی اہل قبلہ کے لئے جنت
 کی گواہی اس بنا پر نہیں دیتے کہ اس نے کوئی نیکی کی اور کسی بدکار کے متعلق دوزخ
 میں جانے کی گواہی اس بنا پر نہیں دیتے کہ اس نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے۔
 ان کا اعتقاد ہے کہ خلافت قریش کے لئے ہے اور کسی کے لئے اس میں جھگڑا
 کرنے کا حق نہیں ہے۔

ان کے نزدیک اگر حاکم ظالم بھی ہوں تو ان سے بغاوت کرنا جائز نہیں ہے۔
 وہ خدا کی نازل کی ہوئی کتابوں پر اور انبیاء اور مرسلین پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ
 افضل البشر ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں اور اللہ نے ان پر
 نبوت ختم کی ہے۔

ان کے بعد بزرگ ترین بشر ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اس کے
 ۱) یہ اس حدیث کے متعلق اشارہ ہے کہ "الائمة من القیش" لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ
 اہلیت و نااہلیت کو نظر انداز کیا جائے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر قریش میں کوئی اہل ہو تو دوسروں
 پر اس کو ترجیح ہوگی۔ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ میں یہی توجیہ کی ہے۔

(۲) اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اگر بغاوت سے شیرازہ اسلام کھ جائے اور طواف الملوکی پیدا
 ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ جائز نہ ہوگی چاہے حاکم ظالم ہی ہو ورنہ یہ بھی حدیث ہے کہ لا طاعة لمخلوق
 فی معصیت الخالق "کسی مخلوق کی اطاعت جس سے خالق کی معصیت لازم آتی ہو جائز نہیں ہے۔"

(۳) یہ ترتیب بلحاظ زمانہ خلافت ہے نہ کہ نفس نفیلت کے لحاظ سے ورنہ ان میں سے ہر ایک اپنی
 خصوصیات کے لحاظ سے اپنی جگہ پر افضل ہے۔

بعد تمام عشرہ مبشرہ۔

پھر ان کے بعد وہ لوگ افضل بشر ہیں جن کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔

پھر ان کے بعد وہ لوگ جن کے زمانے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے (یعنی صحابہ کرام)

پھر ان کے بعد علمائے باعمل اور ان کے بعد وہ جن سے لوگوں کو زیادہ نفع پہنچے۔ انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ رسول ملائکہ پر افضل ہیں۔ لیکن مومنین پر ملائکہ کو فضیلت دینے میں اختلاف کیا ہے اور ملائکہ کے درمیان بھی باہم (ایک دوسرے پر) فضیلت ہے جیسا کہ مومنین کے درمیان ہے۔

(۷)

حلال روزی کی طلب فرض ہے

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حلال روزی کا طلب کرنا فرض ہے اور یہ خدا کی زمین حلال سے خالی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حلال روزی طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حلال روزی کا طلب کرنا ضروری ہے اور دوسری وجہ ہم نے اوپر بیان کی (یعنی یہ کہ اللہ کی زمین حلال روزی سے خالی نہیں ہے) اگر حلال روزی کا ملنا ممکن نہ ہوتا تو ان سے اس کا مطالبہ نہ کیا جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی مقام پر زیادہ ہے اور کسی مقام پر کم۔ جس شخص کا ظاہر اچھا ہو وہ اپنے مال اور کسب میں متہم نہیں کیا جائے گا (یعنی اس پر شبہ نہیں کیا جائے گا)۔

مسائل متعلق ایمان

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کمال ایمان اقرار باللسان (زبان سے اقرار کرنا) اور تصدیق بالجنان (دل سے تصدیق کرنا) اور عمل بالارکان (اپنے اعضا سے اس پر عمل کرنا) ہے۔ پس جس نے اقرار کو ترک کیا وہ منافق ہے اور جس نے عمل کو ترک کیا وہ فاسق ہے اور جس نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو ترک کیا وہ بدعتی ہے۔ عمل بالارکان کے معنی عمل بالجوارح ہے (یعنی اعضا سے عمل کرنا)۔

لوگ اپنے ایمان میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ قلب کی معرفت اس وقت تک نفع نہیں دے سکتی جب تک کہ کلمہ شہادت اس کو بیان نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو عذر شرعی ہو۔

وہ ایمان میں استثناء (انشاء اللہ کہنے کو) جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بر بنائے شک ایسا کہا جائے بلکہ بر سبیل تاکید و مبالغہ کے کیوں کہ حقیقت مال پوشیدہ ہے۔ حضرت حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: "امومن انت حقا؟" کیا آپ درحقیقت مومن ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا: اگر تمہاری مراد یہ ہے میرا غول بھانا جائز ہو جائے اور میرا ذبیحہ حلال ہو اور مجھ سے نکاح روا ہو تو میں کہوں گا کہ میں درحقیقت مومن ہوں اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں جنت میں داخل ہوں اور دوزخ سے نجات پاؤں اور خدا مجھ سے راضی ہو تو اس کے جواب میں کہوں گا کہ انا مومن انشاء اللہ (خدا چاہے تو میں مومن ہوں کیونکہ یہ سب امور خدا کی مرضی اور خوشنودی

-
- (۱) ان کا نام ایسا رہا۔ ان کے والد زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کی ماں حضرت ام سلمہ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ مدینہ منورہ میں ان کی پرورش ہوئی۔ حضرت علیؑ سے علم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ آپ ہی کے توسط سے صوفیہ کرام کے اکثر سلسلے حضرت علیؑ تک پہنچتے ہیں۔ ۱۱۰ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔
- (۲) شریعت میں مرد کی سزا قتل ہے۔

پر موقوف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین" (تم داخل ہوں گے اگر خدا چاہے مسجد حرام میں امن پائے ہوئے) یہاں کوئی شک نہیں تھا۔ بعض صوفیہ سے اس استثنائے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خدائے تعالیٰ کو اس استثناء سے اپنے بندوں کو ادب سکھانا اور متنبہ کرنا مقصود تھا کیونکہ جب خدائے تعالیٰ نے باوجود کمال علم کے استثناء کیا ہے تو کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ باوجود تصور علم کے کوئی حکم لگائے اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقابر کے لیے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وانا انشاء اللہ عن قریب بحکم لا حقون" (اور ہم عنقریب تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں) حالانکہ آپ موت میں اور اہل مقابر سے جا ملنے میں کوئی شک نہیں فرماتے تھے^(۱)۔

(۹)

کسب و تجارت کے متعلق حکم

انہوں نے اجماع کیا ہے کہ کسب و تجارت اور صنعت و حرفت مباح ہے تاکہ نیکی و تقویٰ پر اس سے مدد ملی جائے لیکن اس کو (محض) روزی پیدا کرنے کا سبب نہ بنایا جائے۔

نیز سوال انسان کا آخری ذریعہ معاش ہونا چاہئے اور سوال مالدار یا طاقت ور انسان کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۱۰)

فقر بہت ہے یا غناء؟

انہوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ فقر، غنا سے بہتر ہے جب کہ وہ اپنی

(۱) خواجہ صاحب نے اپنے تجربے میں اس کی توجیہ یوں بھی کی ہے۔ انشاء اللہ کا کتنا قربت لائق کے لحاظ سے تھا کہ وہ غیر یقینی تھا۔

رضامندی کے ساتھ ہو۔ اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند فرمایا اور اسی کی طرف جبریل علیہ السلام نے جب کہ آپ کے سامنے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ اس سے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس میں ایک مکھی کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہوگی تو جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ آپ تواضع کو اختیار فرمائیں بس آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن مجھ کو کار ہوں اور ایک دن شکم سیر ہوں اگر میں مجھ کو کار ہوں گا تو تیری جناب میں تضرع و زاری کروں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو تیری تعریف کروں گا، تجھ کو یاد کروں گا اور تیری شکم گزاری کروں گا۔ اسی پر بعض صوفی دنیا کو رد کرنے پر استدلال کرتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی ہے :

”اے اللہ! مجھ کو مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مجھ کو مسکینی کی حالت

میں موت دے اور قیامت کے دن زمرہ مساکین میں میرا حشر فرما“

اگر یہ فرماتے کہ مسکینوں کا حشر آپ کے زمرہ میں ہو تو ان کے لیے بڑی فضیلت کی بات ہوتی چر جائیکہ خود آپ اپنے لیے ان کے زمرہ میں شامل ہونے کی دُعا فرماتے ہیں۔ خدا نے تعالیٰ نے مسکینوں کے ساتھ صبر کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے : ”و

اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه

(اور اپنے نفس کو صبر کرنے پر آمادہ رکھ ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں اور ان کو اس کی خوشنودی منظور ہے) اگر کسی شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر استدلال کیا کہ آپ نے کہا ہے کہ ”اليد العليا خير من بيد السفلى“ (اوپر کا ہاتھ بہتر ہے نیچے ہاتھ سے) تو کہا جائے گا اوپچے ہاتھ نے فضیلت اس وجہ سے حاصل کی کہ اس نے جو کچھ ہاتھ میں تھا اس کو دے دیا اور نیچے ہاتھ میں اس وجہ سے نقص پیدا ہوا کہ اس نے حاصل کیا۔

سخاوت اور عطا کی فضیلت سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ فقر افضل ہے کیونکہ اگر کسی شے کا مالک ہونا محمود ہوتا تو اس کا عطا کے ذریعہ خرچ کرنا مذموم ہوتا۔ بس جس شخص نے تو نگری کو خرچ کرنے اور عطا کی وجہ سے فضیلت دی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی نے

معصیت کو طاعت پر توبہ کی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دی کیونکہ توبہ کی فضیلت معاصی مذمومہ کے ترک کی وجہ سے ہے اور اسی طرح خرچ کرنے کی فضیلت کا حال ہے کہ وہ ایسے مال کو نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔

(۱۱)

فقر کے معنی

فقر، تصوف سے سوا ہے بلکہ تصوف کی ابتداء فقر کی انتہا ہے اور اسی طرح زہد کی حالت ہے۔ صوفیہ کے پاس فقر، فاقہ کرنے یا کچھ نہ رکھنے کا نام نہیں ہے بلکہ فقر محمود ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھے اور کچھ خدا دے اس پر راضی رہے۔

صوفیہ، ملامتیہ سے سوا ہیں کیونکہ ملامتی اس کو کہتے ہیں جو کسی بھلائی کو ظاہر نہ کرے اور کسی بُرائی کو نہ چھپائے اور صوفی وہ ہے جو مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہو اور ان کے رد و قبول کی طرف التفات نہ کرے۔

(۱۲)

تہرکِ معاش کب افضل ہے؟

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ روزی پیدا کرنے اور صنعت و حرفت کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں مشغول ہونا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ اس شخص کیلئے جس نے طلبِ رزق کے انتہام کو ترک کر دیا ہو اور اللہ کی ضمانت پر بھروسہ رکھا ہو مگر یہ کہ اس کے پاس خلوت و جلوت اور میل جول اور عزالت مساوی ہو جائے اور وہ قدرت کا

لے ضمانت سے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا (کوئی زمین پر چلنے والی چیز ایسی نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں ہے)

ہر حالت میں مشاہدہ کرنے والا ہو جائے۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ رزق کا اہتمام کرنے والے نہ بنو۔ اس طرح کہ رازق پر تم کو شک ہونے لگے اور اس کی ضمانت پر تم کو بھروسہ نہ رہے۔ بعض صوفیہ کو کہا گیا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ اگر کہیں سے کھانا ہوتا تو فنا ہو جاتا۔ ایک دوسرے صوفی سے کہا گیا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں تو انہوں نے کہا: یہ اس سے پوچھو جو مجھے کھلاتا ہے کہ وہ کہاں سے کھلاتا ہے۔“

(۱۳)

سعادت و شقاوت ازلی ہیں

اس بات پر انہوں نے اجماع کیا ہے کہ بندوں کے افعال سعادت یا بدبختی کا سبب نہیں ہیں کیونکہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سعید وہ ہے جو ماں پیٹ سے سجدہ ہو اور بدبخت وہ ہے جو ماں پیٹ سے بدبخت ہو۔ ثواب خدا کا فضل ہے اور عقاب اس کا عدل ہے اور خوشنودی ثواب و عقاب اور ناراضی دو ایسی قدیم صفات ہیں جو بندوں کے افعال سے متغیر نہیں ہوتیں جس سے خدا راضی ہے اس کو اہل جنت کے کام پر لگایا اور جس سے وہ ناراض ہوا اس کو اہل دوزخ کے کام پر لگایا۔

ان کے پاس قضا پر راضی رہنا اور مصیبت میں صبر کرنا صبر و رضا اور نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہر حال میں واجب ہے۔

خوف و رجا خوف و رجا بندہ کے لیے دو لگام ہیں جو اس کو بے ادبی سے روکتے رہتے ہیں۔ ہر قلب جو اس سے خالی ہو وہ تباہ ہے۔ یہ کہ امر و نہی اور احکام عبودیت کی تعمیل بندہ پر جب تک کہ وہ تعمیل امر و نہی عاتل ہے لازم ہے۔ اگر اس کو قلب کی صفائی حاصل ہو جائے تو تکالیف کی کلفت و مشقت اس سے ساقط ہو جاتی ہے کہ اس کا نفس و جوب۔

دائے تکالیف کے معنی فرائض و احکام ہیں جن کا بندہ مکلف و پابند بنایا گیا ہے۔

یہ کہ بشریت کسی شخص سے زائل نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ ہو ایس کیوں
عدم از الہ بشریت نہ اڑ رہا ہو البتہ وہ کبھی ضعیف ہو جاتی ہے اور کبھی قوی۔ بندگی
 کی قید سے آزادی باطل ہے۔ البتہ نفس کی قید سے آزادی صدیقیوں کے حق میں
 جائز ہے۔

بڑے صفات عارفین میں فنا ہو جاتے ہیں اور مریدین میں دب
درجہ فناءیت جاتے ہیں اور بندہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا رہتا ہے
 یہاں تک کہ وہ روحانیوں کی صفات حاصل کر لیتا ہے۔ اس وقت اس کے لیے
 زمین لپیٹ دی جاتی ہے اور وہ پانی پر چلنے لگتا ہے اور نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔
محبت و بغض اللہ بندہ بندھنوں میں سے ایک ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جہاں تک
 ممکن ہو لازمی ہے۔

(۱۴)

کرامات اولیاء اور معجزہ کافرق

انہوں نے اجماع کیا ہے کہ اولیاء کے کرامات ثابت ہیں اور آں حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور دوسرے زمانہ میں بھی وہ جائز رہے ہیں۔

انبیاء کی نبوت معجزہ سے ثابت نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان کو رسول بنا کر
 بھیجنے سے اور خلق پر اس کا اظہار اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت تھا۔
 معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ نبی پر معجزہ کا اظہار اور تحدی واجب ہے
 اور ولی پر کرامت کا انخفا واجب ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرما دے۔

۱۱) تحدی کے معنی دعویٰ کرنے کے ہیں کہ اس کے مانند لاؤ (۲) خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت میں
 کوئی فرق بجز اس کے نہیں ہے کہ معجزہ مقبوع سے (جس کا اتباع کیا جاتا ہے) سرزد ہوتا ہے اور کرامت تابع سے ظاہر ہوتی

صوفیہ نے دین میں بحث و تکرار کو ناپسند کیا ہے اور ایسی چیزوں میں مشغول ہونے کو پسند کیا ہے جو ان کے لئے مفید ہوں نہ کہ مضر۔

(۱۵)

لباس کے احکام

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ہر قسم کا لباس پہننا جائز ہے جب تک اس لباس کے جس کو شریعت نے حرام کیا ہے اور وہ وہ ہے جس کا اکثر حصہ ریشم کا ہو۔ ان کے نزدیک ہلکے کپڑوں پر اکتفا کرنا اور بوسیدہ اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا زیادہ افضل ہے کیونکہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو کم ہو اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو

بہت ہو اور غفلت میں ڈالے۔“

کیونکہ وہ دنیا کی چیزوں میں سے ہے جن کے حلال کا حساب دینا ہوگا۔ اور حرام کے لیے عذاب ہے۔ نیز اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے باوجود قدرت کے اچھے کپڑوں کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ

قیامت کے روز اس کو بزرگی کا لباس پہنائے گا۔“

پیوند لگے ہوئے کپڑوں کو انہوں نے کئی باتوں کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ کم خرچ ہیں اور کم پھٹتے ہیں اور زیادہ دن تک چلتے ہیں اور فروتنی اور تواضع سے قریب تر ہیں اور تکلیف میں صبر رکھتے ہیں اور سردی اور گرمی کو دوہرتے ہیں اور اہل التشر (چور) کو ان کی خواہش نہیں ہوتی اور بکرا اور فساد سے روکتے ہیں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ میرے

حبیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں کسی کُرتے کو اس وقت تک نہ نکالوں جب تک کہ

اُس کو پیوند نہ لگاوں۔“

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیوند لگا رہے تھے۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھا کہ آپ اپنے عبا، (دکل) کو پہن کر خوش ہوتے تھے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ اپنے جبہ کو پیوند لگا رہے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سبز رنگ کو پسند فرماتے تھے۔ اہل جنت کے کپڑے بھی سبز ہوں گے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ تمہارے بہترین کپڑے سفید کپڑے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خوب صورت کپڑوں میں سفید کپڑا زیادہ اچھا اور پہننے کے لائق ہوتا ہے۔

(۱۶)

تلاوت قرآن اور شعر خوانی اور سماع کے احکام

انہوں نے اجماع کیا ہے کہ قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ بشہ طیکہ وہ معنی میں خلل پیدا نہ کرے کیونکہ آپ نے فرمایا :

”قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔“

نیز آپ نے فرمایا : ”ہر چیز کا ایک زیور ہے اور قرآن کا زیور اچھی آواز ہے۔“ وہ قرآن کو توڑ توڑ کر پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ قصائد اور اشعار کے متعلق ان کا مسلک وہی ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے متعلق استفسار کرتے پر فرمایا :

(۱) عبد اللہ نام، حضرت عمرؓ کے صاحبزادے، بڑے جلیل القدر صحابی، سنت کی اتباع میں بہت سرگرم، بیعت رضوان میں شریک تھے۔ ۴۰ھ کے اوائل میں فوت ہوئے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور ایک عرصہ تک ساتھ رہے ہیں۔ آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ ۳۹ھ میں بقول اکثر وفات پائی۔

وہ ایسا کلام ہے جس کا اچھا اور بُرا ہے۔

اچھا شعروہ ہے جس میں کچھ عظمت و حکمت ہو اور اللہ کی نعمتوں اور سرفرازیوں کا ذکر اور پاک لوگوں اور پرہیزگاروں کے اوصاف بیان کئے گئے ہوں۔ اس کا سننا حلال ہے لیکن جس چیز میں ٹیلیوں اور منزلوں اور زمانوں اور قوموں کا ذکر ہو اس کا سننا مباح ہے لیکن جس میں سچا اور فضول باتوں کا ذکر ہو اس کا سننا حرام ہے۔

اور جس میں معشوق کے غم و خال اور اوصاف و خصائل کا بیان ہو جو طبیعت نفس کے موافق ہو تو وہ مکروہ ہے مگر وہ عالم ربانی کے لئے جائز ہے جو طبیعت اور شہوات اور الہام اور وسوسہ میں تمیز کر سکتا ہو۔ اور اس نے ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنے نفس کو مار دیا ہو اور اس کی بشریت کی آگ بجھ گئی ہو اور خواہشات فنا ہو گئے ہوں۔ اور صرف نفس کے حقوق باقی رہ گئے ہوں جیسا کہ خدا سے تعالیٰ نے فرمایا ہے: "بشر عباد الذین یستمعون القول یتبعون احسنہ"۔ پس میرے بندوں کو بشارت و وجوہات سننے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، اور جس کی صفت یہ ہو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے نزدیک تعریف اور ندمت اور دینا اور نہ دینا، جفا اور وفا سب برابر ہو جاتے ہیں۔

بعض شایخ سے سماع کے بارہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: "اہل خلیفہ کیلئے مستحب ہے۔ عبادت گزاروں اور پرہیزگاروں کے لیے مباح ہے اور نفس پروروں اور خواہشات کی پیروی کرنے کے لیے مکروہ ہے۔"

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

(۱) حلال اور مباح میں فرق یہ ہے کہ حلال چیز کو عادتاً اختیار کیا جاسکتا ہے بخلاف مباح کہ اس کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے۔

(۲) جنید بن محمد بن الجعدی بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ باوجود علم باطنی کے حدیث و فقہ میں بھی پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ ۲۰ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے تھے۔ حارث محاسبی اور سری سطلی کی صحبت اٹھائی تھی۔

سنی وفات میں اختلاف ہے۔ ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

ہر وہ چیز جو بندہ کو اپنے رب کے سامنے حاضر کرے مباح ہے۔“ کیونکہ اچھی آواز بشارتِ غور محمود ہے۔ اس آیت یزید فی الخلق ما یشاء (زیادہ کرتا ہے وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے) کے بارے میں کہا گیا ہے وہ اچھی آواز سے متعلق ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اچھی آواز دل میں داخل نہیں ہوتی بلکہ دل میں جو کچھ ہے اس کو حرکت میں لاتی ہے۔ پھر اہلِ سماع کے حالات بوقتِ سماع مختلف ہوتے ہیں بعض پر بحالتِ سماع خوف و حزن اور شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ رونے چہنچہنے اور پکارنے اور کپڑے پھاڑنے لگتا ہے اور بے ہوشی اور اضطراب و بے قراری کی حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور ان میں سے بعض پر امید اور فرحت اور بشارت کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ رقص و طرب کرتا ہے اور تائیاں بجانے لگتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے سکینہ کا استقبال رقص سے کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور جعفر اور زیدؑ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے جعفر کو کہا کہ تم صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو تو وہ جھومنے لگے اور زید کو کہا تم ہمارے بھائی اور دوست ہو تو وہ بھی جھومنے لگے اور مجھ کو کہا کہ تم مجھ سے ہوا میں تم سے ہوں۔ تو میں بھی جھومنے لگا۔ حدیث میں حجل کا لفظ آیا ہے اور ابو عبیدہؓ نے کہا، حجل اس کو کہتے ہیں ایک پاؤں اٹھایا جائے اور دوسرے

-
- (۱) سکینہ ایک صندوق تھا جس میں پر اہل یوسف اور عصائے موسیٰ تھا جس کو فرشتے اٹھائے بیٹھے۔
 (۲) جعفر بن ابی طالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دس سال بڑے تھے۔ حبش کی طرف ہجرت کی اور فتحِ خیبر کے وقت ہجرت کے ساتویں سال حبش سے تشریف لائے۔ فقیروں اور مسکینوں سے بہت انس رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان حضرت نے آپ کا لقب ابوالساکین رکھا تھا۔ جگ موت ۸ھ میں شہید ہوئے۔

- (۳) زید بن حارثہ دراصل حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے جن کو مکہ لاکر بیچ دیا گیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا۔ اس وقت وہ لڑکے تھے۔ ان حضرت نے ان کو آزاد کر دیا۔ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔
 (۴) ابو عبیدہ (غوی) معمر بن المثنیٰ التیمی البصری لغت کے امام ہیں۔ ۲۰۹ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۲ ص ۱۲۷)

پاؤں پر ٹھہرا جائے یا دونوں پاؤں کو اٹھایا جائے اور پھر ٹھہرا جائے اور چلے نہیں۔ کبھی سماع کی حالت میں سننے والے کو اس چیز کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے جس کی یاد اس کے دل میں ہوتی ہے۔ تو وہ اپنی جگہ اچھل جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے پاس جانے کے لئے اچھل کھڑا ہوتا ہے لیکن جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بٹلے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ اچھلنا نہتا ہے۔ یہاں تک کہ سکون حاصل ہوتا ہے یا وہ مسلسل گھومنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی یہ حالت اس تردد کی وجہ سے طاری ہوتی ہے جو روح و جسد میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ روح کی روحانیت علوی مائل پر بلندی ہے جو خوشی سے پیدا ہوتی ہے اور جسد سفلی ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر روح بلندی کی طرف لیجاتی ہے اور جسد اپنے محل (پستی) کی طرف۔ یہاں تک کہ سکون حاصل ہوتا ہے۔

کبھی یہ کیفیت محض دل کی اور وسعت خاطر کے لیے اختیار کی جاتی ہے جو منع نہیں ہے لیکن محققین کی صفات سے نہیں ہے۔

ابو عبد اللہ احمد بن عطار رو باری سے منقول ہے کہ سچے سماع سننے والوں کی طریق تین ہیں کہ وہ عالم باللہ ہو (یعنی اس کی صفات و ذات کو اچھی طرح سمجھنے والا ہو) اور جس حالت اور حیثیت میں وہ ہے اس کا حق ادا کر سکتا ہو اور جمع ہمت کر لے۔ جس جگہ سماع سنا جائے وہاں خوشبو^(۱) ہونی چاہیے اور وقار اور سنجیدگی ہو اور جو لوگ سماع کے مخافت ہوں یا جو شخص سماع کا مخافت ہو یا اس کو دل لگی اور ہنسی سمجھیں ایسے لوگ نہ رہیں۔

سماع تین باتوں کے لیے سنا جاتا ہے۔ محبت، خوف اور امید سماع میں

(۱) خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صفت سولے محققین کے نہیں ہوتی کیونکہ قلب سے وہ اتقا کے ساتھ ساتھ ہے۔

(۲) ”جمع ہمت“ سے مراد یہ ہے کہ اپنی حالت پر قائم اور ثابت قدم رہے۔

(۳) خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جہاں سماع ہو وہاں عود یا منبر علیا جائے اور پھول رکھے جائیں کیونکہ خوشبو روح کی غذا ہے اور جب روح کو غذا ملتی ہے تو سماع میں فوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور سننے والے کو چاہیے کہ وہ ادب و وقار کے ساتھ بیٹھے بعض لوگ بیٹھے اور بعض ہاتھ پھوڑے ہوئے کھڑے رہتے ہیں یہ ٹھیک نہیں جو شخص سماع کا مخافت اور گھٹل طبیعت کے لوگ ہو خود نا اور سخت دل ہیں اور سماع کو بول و لعب جانتے ہیں ان کے لیے سماع جائز نہیں ہے۔

حرکت نہیں طرح کی ہوتی ہے خوشی سے یا وجد سے یا غوف سے۔ خوشی کی تین علامتیں ہیں رقص، تالی بجانا اور فرحت و نشاط۔ وجد کی بھی تین علامتیں ہیں، بے ہوشی، اضطراب و بقیارمی اور چلانا، اور غوف کی بھی تین علامتیں ہیں، رونا، طمانچہ مارنا اور آپس بھڑا۔

(۱۷)

دین کے علم و عمل کے متعلق

دین کے فروغ اور احکام تو اس کے متعلق ان کا اجماع ہے کہ احکام شریعت اس قدر سیکھنا کہ ان کا جہل نامناسب ہو اور حلال و حرام کو معلوم کرنا تاکہ عمل موافق علم ہو، واجب ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اگر علم، عمل سے خالی ہو تو وہ خفیم (بانتھ) ہے اور اگر عمل، علم سے خالی ہو تو وہ سقیم (ناقص) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔ صوفیہ نے مذاہب میں فقہائے اہل حدیث کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ وہ فروغ میں علماء کے اختلاف کو بڑا نہیں سمجھتے کیونکہ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ بعض لوگوں نے یہ سوال کیا وہ علماء جن کا اختلاف رحمت ہے کون ہیں، انہوں نے جواب دیا، وہ جو کتاب اللہ کو کپڑے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جدوجہد کرتے ہیں اور صحابہ کا اقتداء کرتے ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں، اصحاب الحدیث، فقہاء اور علماء اور علماء سے مراد صوفیہ ہیں۔

اصحاب حدیث وہ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ظاہر سے جو دین کی بنیاد میں اپنے آپ کو وابستہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا تَلَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (جو رسول نے تم کو دیا وہ لو اور جس سے تم کو منع کیا اس کو چھوڑ دو) ان اصحاب نے احادیث کو سنا اور ان میں تفکر و تدبر کیا اور صحیح اور سقیم احادیث میں تمیز کی اور وہ دین کے نگہبان ہیں۔

فقہاء کو اصحاب حدیث پر اس طرح فضیلت ہے کہ احادیث کا علم حاصل کرنے کے بعد

انہوں نے اس کو سمجھا اور فقہ حدیث کا استنباط کیا اور غور و خوض کے ساتھ نظر ڈال کر احکام اور دین کی حدود کو ترتیب دیا۔ ناسخ و منسوخ میں تیز کی اور مطلق و مقید اور مجمل و مفسر اور خاص و عام اور محکم و منشأ کو واضح کیا۔ یہ لوگ دین کے حکام اور علم بردار ہیں۔

علمائے صوفیہ نے دونوں کے ساتھ ان کے معانی اور رسوم سے اتفاق کر لیا ہے بشرطیکہ وہ خواہش نفس سے الگ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو پیش نظر رکھیں۔ اگر کسی صوفی کو ان علوم سے بہرہ نہ ہو تو وہ احکام شرع اور حدود دین میں ان کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر علماء ان علوم کے مسائل میں متفق ہیں تو صوفیہ ان کے اجماع پر عمل کریں گے اور اگر وہ اختلاف کریں تو وہ سب سے بہتر اور اولیٰ رسلے پر عمل کریں گے۔

ان کا مذہب یہ نہیں ہے کہ تاویلات کئے جائیں اور خواہشات نفس کی پیروی کی جائے کیونکہ وہ نہایت نامضی علوم اور شریف احوال کے ساتھ خاص کئے گئے ہیں اور انہوں نے معاملات کے علوم اور انسانی حرکات و سکنات کے عیوب اور شریعت مقامات میں گفتگو کی ہے مثلاً توبہ، زہد، ورع، صبر، رضا، توکل، محبت، خوف، رجاء، مشاہدہ، طمانیت، یقین، قناعت، صدق، اخلاص، شکر، ذکر، مراقبہ، اعتبار، وجد، تعظیم، اجلال، ندامت، حیا، جمع و تفرقہ، فناء و بقا، معرفت نفس، مجاہدات اور بیاضات نفس اور ربانہ کے دقائق اور شہوت خفیہ، شرک خفی اور اس سے خلاصی پانے کی کیفیت نیز انہوں نے ایسے علوم کا استنباط کیا اور نتائج اخذ کیے ہیں جو فقہاء کے لئے مشکل ہیں۔ مثلاً عوارض، عوارضی اور خفایا، اذکار اور تجرید، التوحید اور منازل تفرید، خفایات سر اور محدث کے بیکار ہو جانے کے بارے میں جب کہ اس کا مقابلہ قدیم سے کیا جائے۔

غیوب احوال، جمع متفرقات، اغراض عن الاغراض، ترک اعتراض، پس وہ مخصوص ہیں اس بارے میں کہ انہیں مشکل امور پر توقف ہے اور منازل اور مباشرہ کے ذریعہ اپنی جانوں کی بازی لگا کر ہمتن اس کی جانب متوجہ و منہمک ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے ان حالتوں کے مدعیوں سے اس کے دلائل کا مطالبہ کیا اور اس کی صحت و سقم میں گفتگو کی۔ پس یہ لوگ دین کے حامی اور اس کے اعیان و اعوان ہیں۔

ہر شخص پر جس کے لئے ان علوم ثلاثہ میں سے کوئی مشکل پیش آئے۔ یہ لازم ہے کہ وہ اس علم کے ائمہ کے پاس رجوع کرے اگر کسی پر علم حدیث میں سے کسی مسئلہ کا سیکھنا دشوار اور اس کے رجال کی معرفت و درکار ہو تو اس کو ائمہ حدیث کے پاس رجوع کرنا چاہئے اور اگر کسی کو فقہ کے فتاویٰ میں سے کسی مسئلہ کا سمجھنا مطلوب ہو تو اس کو ائمہ فقہ کے پاس رجوع کرنا چاہئے اور جس کو علوم احوال اور ریاضات اور فتاویٰ ورع اور مقامات متوکلین میں کوئی مشکل درپیش آئے تو اس کو ائمہ صوفیہ کے پاس رجوع کرنا چاہئے نہ کہ کسی دوسرے شخص کے پاس اور جو شخص ایسا نہ کرے تو وہ غلطی کرے گا۔

(۱۸)

تصوف کے بارے میں صوفیوں کے اقوال

مشائخ صوفیہ کے اقوال تصوف کے بارے میں حالتوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے یا تو اپنے حسب حال جواب دیا ہے یا پوچھنے والے کا مقام جس بات کا متعلق تھا اس کے بموجب جواب دیا ہے۔

اگر سائل مرید ہے تو ظاہر مذہب کے مطابق معاملات کے متعلق جواب دیا گیا ہے اور اگر وہ متوسط درجہ رکھتا ہے تو اس کے احوال کے بموجب اور اگر عارف ہو تو حقیقت کے لحاظ سے۔

ان میں جو کسب کے لحاظ سے زیادہ ظاہریات ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ تصوف کا اول علم ہے اور اوسط عمل ہے اور آخر موہبت۔ پس علم مراد کو ظاہر کرتا ہے اور عمل طالب کا طلب پر معین و مددگار ہوتا ہے اور موہبت مقصود و مراد کو پہنچائے گا۔

اہل تصوف کے تین طبقات ہیں؛ مرید طالب، متوسط ساکب اور مہتمی واصل۔ پس مرید صاحب وقت ہے اور متوسط صاحب حال ہے اور مہتمی صاحب نفس نفس کے معنی ہیں دل کا مشاہدہ غیب میں محفوظ ہونا۔

اور سب سے بہترین چیز ان کے پاس "پاس انفس" ہے۔ پس مرید، طلب مراد میں

تکلیف اٹھاتا ہے اور متوسط منازل کے آداب کو طلب کرتا اور صاحبِ تلویں رنگ بدلتا رہتا ہے کیونکہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے اور اس کی زیادتی اور اضافہ میں مشغول رہتا ہے۔ فتنی واصل ہے جس نے تمام مقامات طے کر لئے ہیں اور تمکین کے مقام کو پہنچ گیا ہے جس کو کوئی حالت متغیر نہیں کر سکتی اور احوال و خطرات اس پر اثر نہیں کر سکتے جیسا کہ کہا گیا ہے زینبا، یوسف کی محبت میں صاحبِ تمکین تھی۔ اس لئے یوسف کے دیدار نے ان میں کوئی اثر پیدا نہیں کیا جیسا کہ ان عورتوں میں پیدا ہوا جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے حالانکہ زینبا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ان سے زیادہ کامل تھی۔

پس مرید کا مقام مجاہدات کرنا، تکلیف کو برداشت کرنا اور کڑے گھونٹ پینا اور نفس کی خواہشوں اور منفعتوں سے دور رہنا ہے۔ اور متوسط کا مقام، طلب مراد میں خطرات میں درآنا اور ہر حالت میں سچائی کو مرعی رکھنا اور ہر مقام پر اس کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ فتنی کا مقام بیداری اور تمکین اور جہاں کہیں حق اس کو بلائے اس کو قبول کرے۔ اس کی حالت سختی اور مفر الحالی اور منع و عطا، اور جفا و وفا میں مساوی رہے۔ اس کا کھانا اس کی سبک کی طرح ہو جائے اور اس کا سونا اس کی بیداری کی طرح اس کے خواہشات فنا ہو جائیں اور حقوق و واجبات باقی رہ جائیں، اس کا ظاہر خلق کے ساتھ ہو اور اس کا باطن حق کے ساتھ۔ اور یہ تمام باتیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے حالات سے منقول ہیں۔ پہلے آپ غارِ حرا میں گوشہ نشین رہے۔ پھر خلق کے ساتھ رہے اور آپ کے پاس خلوت اور جلوت میں کوئی فرق نہیں تھا اور یہی حال اہل صفہ کا تھا کہ وہ حالتِ تمکین میں تھے اور امراء اور وزراء ہونے پر بھی مخالفت نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔

(۱۹)

احکام مذہب کے بیان میں

پھر مذہب کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کا ظاہر خلق اللہ کے ساتھ ادب کا استعمال ہے اور اس کا باطن نزول احوال اور مقامات کے وقت حق تعالیٰ کی معیت ہے۔

چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں اپنے کپڑوں کے ساتھ کھینٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی خشوع ہوتا"

حضرت جنید نے ابو حفصؒ سے فرمایا: تم نے اپنے اصحاب کو سلاطین کا ادب سکھایا ہے؛ تو انہوں نے کہا "نہیں ابو القاسم! یہ حضرت جنید کی کنیت تھی، اگر ظاہر میں حسن ادب ہو تو وہ باطن کے حسن ادب کا عنوان ہو جاتا ہے۔ سرسبی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "حسن ادب، عقل کا ترجمان ہے"۔ ادب کی نگہداشت صوفیہ کے درمیان دوسری باتوں پر مقدم ہے۔ دیکھئے کس طرح خداے تعالیٰ نے اہل ادب کی مدح سرائی کی ہے اور ان کے علوم و تربہ کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے: ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتنع اللہ قلوبہم للتقویٰ لا لہم مغفرۃ واجر عظیم (جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازوں کو پست کر دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان تقویٰ کے لئے کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے) ابو عبد اللہ خفیفؒ نے کہا مجھ سے رویمؒ نے فرمایا: "اے بیٹے! اپنے عمل کو نمک اور ادب کو آٹا بناؤ" (یعنی عمل سے زیادہ ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے)

ابو حفصؒ مدونہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ خراسان کہلاتے تھے۔ بڑے صاحبِ احوال و کرات تھے سعادت اور داد و ہوش میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ دس ہزار دینار قیدیوں کو چھڑانے میں صرف کر دیئے اور حایکہ رات کا کھانا بھی حضرت کے پاس موجود نہ تھا۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔

ابو عبد اللہ محمد بن خفیفؒ شیرازی بڑے صاحبِ احوال و مقامات تھے۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ کا قول تھا کہ صوفیہ میں اب کوئی ان سے بڑھ کر صاحبِ حال اور قدیم ترین اور کتاب و سنت کا پابند اور مذہب شافعی کا فقیہ نہیں رہا۔ ۵۰ سال کی عمر میں ۳۷۱ھ میں فوت ہوئے (مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۳۹)

ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ ان کی کنیت میں تین احوال ہیں۔ ابو الخیر، ابو الحسین، ابو محمد۔ مستور الحال تھے سلطان کے پاس آمد و رفت تھی۔ عمدۃ قضا پر بھی مامور رہے۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

کہا گیا ہے کہ تصوف سراسر ادب ہے ہر حالت کے لیے ادب ہے اور ہر مقام کیلئے ادب ہے جس نے ادب کا التزام کیا سو وہ بڑے لوگوں کے درجہ پر پہنچا اور جو اس سے محروم رہا وہ خدا سے دور رہا۔ اگرچہ اپنے آپ کو (خدا سے) نزدیک خیال کرتا ہوا اور (بے ادب) مردود ہوا اگرچہ اپنے آپ کو مقبول سمجھتا ہو۔

کہا گیا ہے جو شخص ادب سے محروم رہا وہ تو تمام بھلائیوں سے محروم رہا۔

نیز کہا گیا ہے کہ جس شخص نے بروقت ادب کو ملحوظ نہیں رکھا تو اس کا وقت مفت (غضب خداوندی) ہے۔ نیز کہا گیا ہے نفس کا ادب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو بھلائی سکھاؤ اور اس پر اس کو آمادہ کرو اور بُرائی سے آگاہ کرو اور اس سے روکو اور باز رکھو۔ نیز کہا گیا ہے کہ ادب فقرہ کی مسند اور مالداروں کی زینت ہے۔ اور کہا گیا ہے لوگ ادب میں تین طبقات پر منقسم ہیں۔ اہل دنیا، اہل دین اور اہل دین میں خصوصیت والے۔ اہل دنیا کا زیادہ تر ادب فصاحت و بلاغت اور علوم اور بادشاہوں کی تاریخ اور عرب کے اشعار کو یاد رکھنا ہے۔ اہل دین کا ادب علوم کو جمع کرنا اور نفس کی ریاضت اور اعضا کی تادیب اور طبیعت کی تہذیب اور ارادہ کی حفاظت اور شہوت کا ترک کرنا اور شبہات سے بچنا اور بھلائیوں کی طرف متوجہ ہونا۔

اہل دین میں اہل خصوصیت کا ادب قلوب کی حفاظت (خطرات و وساوس سے) اور اسرار کی مراعات، ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کرنا ہے۔ مرید باہم عمل کی وجہ سے ایک دوسرے سے فضیلت رکھتے ہیں اور متوسط ادب کی وجہ سے اور عارف (مختی) ہمت کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ہمت وہ ہے جو تجھ کو اعلیٰ امور کی طلب پر ابھارے اور انسان کی قسمت اس کی ہمت ہے۔

ابوبکر واسطی نے مالک بن دینار سے اور داؤد طائی اور محمد بن واسع اور ان جیسے

لے مولانا رحمہ فرماتے ہیں: ”بے ادب محدود شد از فضل رب“۔

لے غالباً یہ ابوبکر واسطی وہ ہیں جن کا نام، المنتظم میں ابن النضر بن کلیم بن زربی لکھا ہے اور وہ ابن ابی حاد کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے داؤد قطی محدث نے روایت کی ہے اور ان کو ثقہ صدوق اور سخی ظاہر کیا ہے۔
(باقی اگلے صفحہ پر)

لوگوں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ صوفیہ اپنے نفوس سے نہیں نکلے مگر اپنے نفوس کی طرف انہوں نے نعیم فانی کو نعیم باقی کے لیے چھوڑا ہے۔ پھر بقا و فناء کا حال کہاں ہے۔

جغیہ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کیا معنی ہیں ؟ لایسٹون الناس الحافا " (وہ لوگوں سے سوال اصرار کے ساتھ نہیں کرتے) ، انھوں نے کہا کہ ان کی علو تہی ان کو اپنی حاجتیں سواے اپنے مولا کے دوسروں کے پاس لے جانے سے منع کرتی ہے۔ جعفری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک حکایت میں کہا ہے کہ جب جہنم جرش میں آگے کی اور بھڑک اٹھے گی تو ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا اور اس سے نہ کوئی بڑا شخص مستثنیٰ ہوگا نہ ادنیٰ بجز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ آپ شفاعت کے مقام پر تشریف فرما ہوں گے اور امتی امتی کہیں گے کسی شخص کا نفس بغیر علت کے باقی نہیں رہے گا اس لئے

(فقیر حاشیہ صفر گذشتہ ص ۱۱) آپ کا پورا نام داؤد بن نصر ابوسلمان الطائی الکوفی ہے۔ علوم ظاہری خاص کر فقہ میں دستکاد پیدا کرنے کے بعد گوشہ نشینی اختیار کی۔ امام ابوحنیفہ کے پاس جاتے تھے۔ علوم ظاہر پر عبور حاصل کرنے کے بعد بعد علم باطنی کا چسکا لگا تو اپنی تمام کتابیں دریائے فرات میں غرق کر دیں۔ صائم الدہراد قائم اہل تھے۔ ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

مکہ ان کو ابو عبد اللہ البصری بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے بہت سے صحابہ سے روایت کی ہے۔ بہت عابد و زاہد تھے۔ خراسان بھی گئے تھے۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ ۱۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸)

(صفر ہذا) لے نعیم فانی سے مراد دنیا اور نعیم باقی سے جنت و آخرت کی نعمتیں مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کرنا بھی ایک کمزور درجہ ہے جس سے بقا و فناء کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ لے ان کو حسین المجعفی بھی کہتے ہیں۔ کثرت عبادت کی وجہ سے لوگ ان کو راہب الکوہ کہتے تھے۔ یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے اگر ابدال میں کسی شخص کا شمار ہو سکتا ہے تو وہ حسین المجعفی ہیں۔ ان سے ہم نے دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں اور ۲۰۳ھ میں بصرہ ۸ سال فوت ہوئے۔

مکہ علت کے معنی نقص کے ہیں۔

وہ ”ربی ربی“ کہے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ محل حوادث علتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔

(۲۰)

صوفیہ کی بزرگ ترین خصلتیں ان کے اخلاق ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”آپ کے تمام اخلاق قرآن پر مبنی تھے“ خدا نے فرمایا ہے: ”خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاہلین“ (ایسے اخلاق اختیار کرو جو آسان اور سہل ہوں اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے روگردانی کرو) آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم کو خبر ہے کہ کون تم میں میرا زیادہ دوست اور قیامت کے دن میری مجلس میں نزدیک تر ہوگا؟“ لوگوں نے عرض کیا: ”ارشاد ہو“۔ آپ نے فرمایا: ”تم میں جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے، جو دوسروں کے لئے سپر ہوں گے، جو مفسار ہوں گے اور میل جول کرانے والے ہوں گے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بدخلق بدبختی ہے اور تم میں بدوہ ہے جس کے اخلاق بد ہوں“۔ حضرت ابوبکر کثافی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”تصوف تمام تر اخلاق ہی کا نام ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے اس کا تصوف زیادہ ہوگا۔“

صوفیوں کے اخلاق میں علم، تواضع، نصیحت، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، فتوت (مردانگی)، کرم، بذل جاہ، مروت، تلطف، طلاقت، سکون، وقار مسلمانوں کے لئے اور جو اس پر

لے محل حوادث یعنی انسان حادثوں (تغیر و تبدل) کا محل ہے۔

لے محمد بن علی بن جعفر الکنتانی۔ ان کا وطن بغداد ہے لیکن مکہ میں اقامت اختیار کی۔ ان کو ان کی کثرت عبادت کی وجہ سے ”سراج الحرم“ کہا جاتا تھا۔ انہوں نے جنید، خزاز اور نوری کی صحبت اٹھائی تھی۔ مکہ میں ۳۲۷ھ میں وفات ہوئی۔

لے کشادہ پیشانی سے ملنا۔

زیادتی کرے اس کے لئے دُعا کرنا، ان کی تعریف کرنا اور اُن کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا اور اپنے نفس کو چھوڑنا سمجھنا، بھائیوں کی توقیر کرنا اور مشائخ کی تعظیم اور چھوٹوں بڑوں پر ترحم، جو کچھ کسی کو دے اگرچہ بہت ہو اس کو کم سمجھنا اور جو کچھ کسی سے لے اگرچہ وہ کم ہو اس کو زیادہ جانتا یہ سب باتیں داخل ہیں۔

حضرت سہیلؒ بن عبد اللہؒ سے حسنِ خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا ”ادنیٰ ترین اخلاق نحل اور ترک مکافات اور ظالم پر رحم اور اس کے لئے دُعا کرنا ہے۔ یہ اخلاق متصوفین کے ہیں نہ کہ جو نام نہاد صوفیوں نے اختیار کر رکھے ہیں کہ وہ طمع کو ’ارادہ‘ کہتے ہیں اور سودا و ادب کا نام ’اخلاص‘ رکھا ہے اور حق سے خروج کو ’شطح‘ کہتے ہیں اور غموم چیزوں سے تلذذ کو ’تطبیب‘ کہتے ہیں۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی کو ’ابستلا‘ اور دنیا کی طرف رجوع کو ’وصول‘ اور بدخلق کو ’صولت‘ اور بخل کو ’شکاوۃ‘ احتیاط اور بدزبانی کو ’ملا مت‘ نام رکھا ہے حالانکہ یہ صوفیہ کا طریقہ نہیں ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزیدؒ بسطامیؒ نے اپنے بعض اصحاب سے کہا اُو فلاں شخص کے پاس چلیں جس نے اپنے لہو کو بہت مشہور کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب آپ اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد کو جا رہے ہیں اور جاتے ہوئے انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ناک صاف کی۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنے مرید سے کہا ”اس شخص نے آدابِ شریعت کو ملحوظ نہیں رکھا تو مقاماتِ اولیاء کے متعلق جس کا اس کو دعویٰ ہے کینہ کر مومن سمجھا جائے گا۔“ یہ کہہ کر واپس ہو گئے اور ان کو سلام تک نہیں کیا۔

۱۔ سہیل بن عبد اللہ تسترؒ - کنیت ابو محمد اپنے مامون خالد بن محمد سوار سے سند حاصل کی۔ ذوالنونؒ کے ہم عصر تھے۔ اکابر صوفیہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ وفات ۲۸۳ یا ۲۸۴ ہجری میں ہوئی۔

۲۔ بدلہ لینا
۳۔ آزمائش
۴۔ احتیاط

۵۔ اچھی چیزوں سے فائدہ اٹھانا۔
۶۔ ابو یزید البسطامی - ان کا نام طیفور بن عیسیٰ بن فروشان ہے۔ بایزید البسطامی کے نام سے مشہور ہیں۔ وفات ۲۸۴ھ میں ہوئی۔ (صفحہ الصفوہ جلد ۴ ص ۹۳)

مقامات

مقامات سے مراد بندہ کا وہ مقام جو عبادات میں اس کو اللہ کے سامنے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وما مثلاً لا“ لہ مقام معلوم نہیں ہے ہم سے کوئی مگر ایک مخصوص مقام حاصل ہے، ان میں سے پہلا مقام ’انتباه‘ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گناہ کے بعد ہمیشہ ندامت اور کثرت استغفار کے ساتھ رجوع کرنا۔ پھر ’انابت‘ ہے۔ وہ غفلت سے رجوع کرنا ہے ذکر کی طرف۔ نیز کہا گیا ہے ’توبہ‘ اور ’انابت‘ رغبت کا نام ہے یعنی رغبت خدا کے دیدار اور اس کی رحمت کی طرف۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ’توبہ‘ ظاہر میں اور ’انابت‘ باطن میں ہوتی ہے۔

اس کے بعد ’ورع‘ اور وہ متنبہ چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے پھر نفس کا ’محاسبہ‘ ہے اور وہ اس کی کمی و زیادتی کو ڈھونڈ نکالنا کہ کہاں اس نے مفید کام کیا ہے اور کہاں مضرباتوں پر اقدام کیا ہے۔

پھر ’ارادت‘ ہے اور وہ ہمیشہ سختی اٹھانا اور راحت کو ترک کر دینے کا نام ہے۔ پھر ’زہد‘ ہے اور وہ دنیا کی حلال چیزوں کو ترک کرنا اور اس کی شہوتوں سے علیحدہ ہونا ہے۔

پھر ’فقر‘ ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہ ہونا اور قلب کو ہر اُس چیز سے خالی کرنا ہے جس سے ہاتھ خالی ہو۔

پھر ’صدق‘ ہے اور وہ ظاہر و باطن کی یکسانی ہے۔ پھر ’تصبر‘ ہے اور وہ نفس کو مکروہات پر قید کرنا اور کڑے گھونٹ پینا ہے

لے حضرت خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ارادت درحقیقت اس کا نام ہے کہ طلب حق کا سودا سر میں سما جائے اور طالب کا دل سوائے خدا کے کسی کو نہ چاہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ راہ حق میں وہ آرام و راحت کو ترک کرے گا اور ہر قسم کی تکلیف گوارا کرے گا۔

اور یہ میرا کا آخری مقام ہے۔
 پھر 'صبر' ہے اور وہ شکوہ کا ترک کرنا ہے۔
 پھر 'رضا' ہے اور وہ بلا سے لذت اٹھانا ہے۔
 پھر 'اخلاص' ہے اور وہ خلق کو حق کے معاملہ سے نکالنا ہے۔
 پھر 'توکل علی اللہ' ہے اور اللہ پر اعتماد کرنا اور اسوا سے طمع کو زائل کرنا ہے۔

(۲۲)

احوال

احوال قلب کے معاملات میں سے ہیں اور وہ حالت ہے جو ذکر کی صفائی سے
 قلب پر طاری ہوتی ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ 'حال' وہ کیفیت نازلہ ہے جو قلب پر
 اترتی ہے اور وہ ہمیشہ نہیں رہتی۔

منجملہ اس کے (مراقبہ) ہے اور وہ یقین کی صفائی کی وجہ سے غیب کی چیزوں کو
 دیکھنے کا نام ہے۔

پھر 'قرب' ہے اور وہ ہمت کو خدا کے سامنے جمع کرنے کا نام ہے۔ اس طرح
 کہ اسوا سے غیبت حاصل ہو جائے۔

پھر 'محبت' ہے اور وہ محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں
 میں موافقت کا نام ہے۔

پھر 'ربا' ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ان باتوں میں تصدیق جن کا اس نے وعدہ
 کیا ہے۔

پھر 'خوف' ہے اور وہ قلب کا خدا سے تعالیٰ کی سطوت اور غضب کا مطالعہ کرنا ہے۔

لے اس بات کا یقین رکھنا کہ جو کچھ ہوا ہے اس کی طرف سے ہوا ہے۔

لے غائب ہونا

پھر 'حیا' ہے اور وہ قلب کو انبساط سے روکتا ہے۔

اور یہ اس لئے ہے کہ قرب ان احوال کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ان میں سے کوئی اپنی حالت قرب میں خدا کی عظمت اور ہیبت کو دیکھتا ہے تو اس پر غور و حیا غالب ہوتی ہے اور ان میں سے کوئی خدا کے الطاف پر نظر کرتا ہے اور اس کے قدیم احسانات کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل پر محبت اور رجا غالب ہوتی ہے۔

پھر 'شوق' ہے اور وہ قلب کا ہیجان ہے محبوب کے ذکر کے وقت۔
پھر 'انس' ہے اور وہ اللہ کی طرف سکون اور تمام امور میں اس سے استعانت کا نام ہے اور انس، محبوب کے مشاہدہ کو محب کا لازم کر لینا ہے اور جب اس حال پر زمانہ اور اس کی گھڑیاں گزر جاتی ہیں تو محب کا قلب، وجود محبوب سے سکون حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ اس سے ورع اور شمت زائل ہو جاتی ہے تو وہ ایسی جرأت کر بیٹھا ہے جو محبوب کے حال کے لایق نہ ہو۔

پھر 'طمأنیت' ہے جو اللہ کی مقدورات پر سکون حاصل کرنے کا نام اور سکون واردات محبت کے تحت ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ رضا ہو یا کراہیت، لطف ہو یا قہر، قرب ہو یا بُعد، ہر چیز محبوب کے سپرد ہو جاتی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
پھر 'یقین' ہے اور وہ تصدیق ہے جو شک کو دور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔
پھر 'مشاہدہ' ہے اور وہ رویت یقین اور رویت العین سے علیحدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'تم اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہ دیکھو تو وہ تم کو دیکھتا ہے اور وہ آخر احوال ہے۔'
پھر اس کے بعد 'فواتح' حاصل ہوتے ہیں۔ (فواتح فاتحہ کی جمع جس کے معنی

لے خواہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فواتح، لواح اور منائح ایسی کیفیتیں ہیں جن کو افغان میں ظاہر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ فواتح جمع فاتحہ، کشادہ کرنے والی۔ لواح جمع لائحہ، ظاہر اور روشن کرنے والی۔ منائح جمع منیہ۔ علیہ۔

کشاہد کرنے والی چیز کے ہیں یعنی اسرار کائنات اس پر کشادہ ہونے لگتے ہیں

(۲۳)

اختلاف مسالک میں

مقصود ایک ہی ہے لیکن راستے جدا گانہ ہیں۔ قاصدین کے مختلف حالات اور مسالک کے مقامات کے لحاظ سے ان میں سے بعض عبادات کے راستہ پر چلے اور وضو اور محراب و مسجد کے ہر حصے اور کثرتِ ذکر اور نوافل میں اپنے آپ کو مشغول رکھا اور اوراد و وظائف کی مداومت کی۔

اور ان میں بعض نے خلوت و عزلت کو اختیار کیا اور لوگوں سے میل جول کم کرنے میں سلامتی دیکھی۔

بعضوں نے سیروسیاحت اور غربت و مسافری اور گم نامی کا راستہ اختیار کیا۔ کسی نے خدمت کرنے اور اپنے بھائیوں کے لئے اپنے جہاد و مرتبہ سے کام لینے اور ان کو خوش کرنے کی راہ پسند کی۔

اور کوئی مجاہدات اور خطرات میں در آئے اور احوال کو حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اور بعضے مخلوق کے پاس جہاد و مرتبہ سے دست بردار ہو کر ان سے غیر ملتفت ہو جاتے ہیں اور ان کے خیر و شر سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔

اور بعضے عجز و انکسار کے طریقہ پر چلتے ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: وَاخِرُونَ اعترفوا بذنوبهم خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرُ سَيِّئًا۔ عسى الله ان يتوب عليهم (اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ نیک عمل کے ساتھ بُرے عمل کو بھی ملا دیا۔ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے)

ان میں سے بعضوں نے تعلیم اور سوالات کرنے اور علماء کی صحبت میں بیٹھنے اور احادیث سننے اور علوم حفظ کرنے کے طریقہ کو اختیار کیا۔

ہر طریقہ (کسی سند) اور دلیل کے موافق ہونا چاہئے تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جائے اور اس پر عمل کرنے والا حیرت اور فتنہ سے سلامت رہے۔

بعض مشائخ کو کہا گیا کہ فلاں شخص پلٹ گیا ہے (یعنی دل سلوک سے) تو انہوں نے فرمایا (غالباً) راستہ کی وحشت اور اس پر چلنے والوں کی قلت کی وجہ سے وہ پلٹ آیا ہو۔

(۲۴)

صوفیہ کے اقوال عالم کی فضیلت کے بارے میں

خداے تعالیٰ فرماتا ہے: شہد الله انه لا اله الا هو والملكوت والولوالعلم قائماً بالقسط لا اله الا هو الله گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے فرشتے اور علم والے۔ وہ عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے کوئی معبود نہیں سوا اس کے، اس آیت میں خدا نے پہلے اپنا ذکر کیا ہے اس کے بعد ملائکہ کا اور اس کے بعد اہل علم کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔ نیز آپ نے فرمایا کہ لوگ دو قسموں پر منقسم ہیں: ایک عالم اور دوسرا متعلم اور باقی بیکار اور ناقابل اعتبار ہیں۔

کہا گیا ہے کہ علم، روح ہے اور عمل اس کا جسد ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے: علم، اصل ہے اور عمل اس کی فرع ہے۔

ہمارے جمہور مشائخ نے علم کو معرفت اور عقل پر فضیلت دی ہے کیونکہ خدا نے تعالیٰ کی توصیف معرفت اور عقل سے نہیں کی جاتی۔

نیز کہا گیا ہے کہ علم، عقل پر حکومت کرتا ہے لیکن عقل کی حکومت علم پر نہیں ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ علم بغیر عقل کے فائدہ بخش نہیں ہو سکتا بلکہ علم بغیر عقل کے حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

کہا گیا ہے کہ ادب و حقیقت تمہاری عقل کی صورت ہے اس لئے عقل کو تم جس طرح چاہو بناؤ (اچھی یا بُری)۔

علم کی فضیلت اس سے بھی ظاہر ہے کہ ہر دہ نے کم عقلی اور کم فطرتی کے حضرت سلیمان علیہ السلام کو باوجود ان کے علوم و تربیت کے علم کے غلبہ اور قوت کی بناء پر (جرات کے ساتھ) جواب دیا: ”احطت بما لہ تحت بکم“ (مجھ کو جو معلوم ہے وہ تم کو معلوم نہیں) اور تحدید و وعید کی کوئی پروا نہیں کی۔

(۲۵)

صوفیہ کے آداب گفتگو اور طریقہ مخاطبت کے بیان میں

اور وہ یہ ہے کہ صوفی کے کلام کا مقصد نصیحت و ارشاد اور طلب نجات ہونا چاہئے اور ایسی بات کہنی چاہئے جس کا نفع سب کو پہنچے۔ نیز لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔“

صوفیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اس کے متعلق ان سے پوچھا نہ جائے اور جب پوچھا جائے تو وہ سوال کرنے والے کی حیثیت کے مطابق جواب دیتے ہیں۔

حضرت عبید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا گیا کہ ان سے کہا گیا جب ایک سائل آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کرتا ہے تو آپ اس کو ایک جواب دیتے ہیں لیکن دوسرا شخص پوچھتا ہے تو اسی مسئلہ کے متعلق آپ اس کو دوسرا ہی جواب دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ”جواب سائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔“

سوال کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے مقام کا اندازہ کر کے سوال کرے اور ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرے جن کی اس کو ضرورت نہ ہو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا سوال کرنا جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے صالحین فقہ ایسے ہیں کہ جن کو وہ اپنا علم پہنچاتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔

تعلیم ان کو دینی چاہئے جو اس کے اہل ہوں لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل اور غیر اہل سب تک علم پہنچا دینا چاہئے کیونکہ علم خود نا اہل کے پاس پہنچنے سے رک جاتا ہے۔

اپنے سے زیادہ جاننے والے کے سامنے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔
حضرت ابن مبارکؒ سے سفیان ثوریؒ کی موجودگی میں ایک مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا
تو آپ نے جواب دیا: ”ہم استادوں کی موجودگی میں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔“
بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ علم (نصوف) اسی کو سزاوار ہے جو اپنے وجدان کی
تعبیر کر سکے اور اپنے تجربہ کی بناء پر گفتگو کر سکے۔

کہا گیا ہے کہ جس کو اپنے سکوت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا وہ اپنے کلام سے بھی
کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اب علم میں سے یہ بھی ہے کہ کسی علم میں اس کے وقت
سے پہلے گفتگو نہ کی جائے کیونکہ اس سے بہت سی آفتیں پہنچ جاتی ہیں جو اس سے
علم کے فوائد کو منقطع کر دیتی ہیں۔

علم سے جاہ و مرتبہ و نیوی اور مال دنیا کو حاصل کرنے سے بچتے رہنا چاہئے کیونکہ
ایسے شخص کو علم سے خدا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے
پناہ مانگی ہے جو غیر منفعت بخش ہو۔ نیز آپؐ نے فرمایا: ”جس نے علم اس لئے حاصل
کیا ہے کہ علماء میں اہلیا پیدا کرے اور ادنیٰ لوگوں پر تفوق حاصل کرے یا یہ کہ لوگ
اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانا پڑے گا۔“

یہ مصوفی کو چاہئے کہ اس علم کو کام میں لائے جس کو اس نے سن کر حاصل کیا یا جس کو

لہ عبد اللہ نام، کنیت ابو عبد الرحمن، ان کے والدین ترک تھے، وطن مرو تھا لیکن کوفہ میں وطن
اختیار کر لیا تھا۔ عطاء بن مسلم کا قول ہے کہ ”میں نے ان کے مانند کسی شخص کو نہیں دیکھا۔“ سفیان
ثوری فرماتے ہیں کہ ”عبد اللہ بن مبارک مشرق و مغرب میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔“
حدیث و فقہ کے امام ہیں۔ تیج تالعیس میں ان کا شمار ہے۔ جہاد سے واپس ہوتے ہوئے
۳۱ رمضان ۸۱ھ کو وفات پائی (صفحة الصفوہ ج ۳ ص ۱۰۹)۔

لہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ۹۷ھ میں پیدا ہوئے ان کو امیر المومنین فی الحدیث
کہا جاتا ہے۔ شعبان ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

وہ اچھی طرح جانتا ہو۔ کہا گیا ہے جس شخص نے صوفیہ کے علوم کو سُن کر حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو یہ اس کے قلب میں حکمت ہو جاتا ہے اور اس سے دوسرے سُننے والے نفع حاصل کرتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو وہ اس کے لئے قصہ کما فی ہو جانے کا۔ جس کو وہ چند دنوں تک یاد رکھے گا اور پھر بھول جائے گا۔ جب کلام دل سے نکلتا ہے تو دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اگر محض زبان سے نکلے تو وہ کانوں سے تجاوز نہیں کرتا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو کتنی مرتبہ پکارتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں لوگوں کو اللہ کے سامنے بلاتا ہوں۔ پھر انھوں نے فرمایا: ”قوم (صوفیہ) نے اپنے حظ نفسانی کے لئے اپنے اسرار کو فاش کر دیا اور اپنی نگاہوں کو نظر بازی کے لئے وقف کر دیا۔ ان کو خدا کے ذکر کی طرف کیونکر راہ مل سکتی ہے۔“ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اپنے بھائیوں سے آپ گفتگو کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے فرمایا: ”اس وجہ سے کہ وہ سفر و حشت میں ہیں۔“ حکایت کی گئی ہے کہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے حضرت جنید علیہ الرحمۃ کی مجلس میں ”اللہ“ کہا اس پر حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اگر تم حاضر ہو (ہوش و حواس میں ہو) تو تم نے ترک حرمت کی اور اگر تم غائب تھے تو نئیبت حرام ہے۔

لے سفر و حشت سے مراد یہ ہے کہ جو دنیا میں مشغول ہیں خدا کے ذکر سے ان کو وحشت ہوتی ہے۔ دنیا کی زندگی کو سفر سے تعبیر کیا ہے۔

لے ان کے نام میں اختلاف ہے۔ دلف بن جعفر کسی نے کہا ہے اور کسی نے جعفر بن یونس، کسی نے کچھ اور ان کے ماموں اسکندریہ کے امیر لاهور اور باپ صاحب الحجاب تھے۔ شبلی کی ولادت سرمن رائی بندو کے ایک محلہ میں جمہوری موقوف باللہ علیہ نے ان کو راند کا حاکم بنایا تھا لیکن انھوں نے اس سے دست برداری کر لی اور غیر التماج صوفی کے ہاتھ پر توبہ کی اور خضر اہل صحبت اختیار کی۔ جنید ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فقیروں کے سہارا ہیں۔ ۳۴۴ھ میں بصرہ ۸ سال وفات پائی۔

لے اللہ سے غافل اور غائب رہنا۔

حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے حضرت حفید رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "اے ابوبکر! تمہارے اور اکابر صوفیہ کے درمیان دس ہزار مقام ہیں اور اس کی ابتداء اس چیز کے محل سے ہوگی جس میں تم مبتلا ہو۔"

(۲۶)

شطیات

جو شطیات حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں، اس کے متعلق یہ سمجھنا کافی ہے کہ وہ غلبہ حال اور سکھ اور وجد کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں نہ ان کو قبول کرنا چاہئے اور نہ رو۔

حضرت سہیل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ علم تین ہیں: ایک وہ علم جو اللہ کی جانب سے ہو اور وہ علم ظاہر ہے جیسا کہ امر ونہی اور احکام و حدود۔ دوسرا علم، اللہ کے ساتھ ہے اور وہ خوف ورجاء اور محبت و شوق ہے۔ اور تیسرا علم، اللہ سے متعلق ہے اور وہ اس کے صفات اور اوصاف کا علم ہے۔

کہا گیا ہے علم ظاہر راستہ کا علم ہے اور علم باطن منزل (مقام مقصود) کا علم ہے۔

لے خواجہ صاحب اس مسئلہ کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ دس ہزار مقام سے مراد یہ ہے کہ ہر سانس اور ہر آن تم کو محو ہونا چاہئے۔ پھر صحو (ہوشیاری) میں آنا چاہئے۔ اگر ہزار دو ہزار سال بھی تصیری عمر ہو اور ہر بار تم محو ہو کر صحو کی حالت میں آؤ تو بھی حقیقت کے چہرہ سے پردہ نہیں اٹھ سکتا۔

۱۔ شطیات جمع شطو کی شیطہ کے معنی عربی میں بلند مرتبہ ہونے کے ہیں۔ جب محققین پر حقیقت کی تجلی ہوتی ہے تو وہ اپنے آپ میں نہیں رہتے اور ان کا زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جو بظاہر خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے بحالت سکھ (سبحانی ما اعظم ثانی) اور حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے "انا الحق" کہا تھا۔

کہا گیا ہے علم باطن، علم ظاہر سے مستنبط ہے اور ہر وہ علم باطن جس کو علم ظاہر قائم نہ کرے باطل ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ جو کچھ تم دونوں کانوں سے سنتے ہو وہ قصہ کہانی ہے اور جو تم نے قلب سے سنا تو اس کو تم نے محفوظ رکھا اور جس نے جو کچھ سنا اس پر عمل کیا تو اس نے ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت دی۔

نیز کہا گیا ہے کہ علم پکار پکار کر عمل کی جانب توجہ دلاتا ہے اور اگر اس کی بات کو نہ سنا جائے تو وہ رخصت ہو جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ علم کسی چیز کو معلوم کرتا ہے جیسی کہ وہ حقیقت میں ہے۔ عقل بصیرت کا نام ہے جو قلب کی ایک قوت ہے اور اس کا مقام ایسا ہی ہے جیسا کہ بنیائی کا آنکھ میں۔ جس سے حق و باطل اور حسن و قبح میں فرق کیا جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ عالم کی پیروی کی جاتی ہے عارف سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ علم وہ ہے جس کی شہادت کوئی خبر دے۔ اور عقل وہ ہے جس کی شہادت جس دے (یعنی جو چیزیں کہ معلوم کی جائے وہ علم ہے اور جو محسوس کہ کے معلوم کی جائے وہ عقل ہے)

کہا گیا ہے علم وہ ہے جس کو سن کر انسان آگاہ ہوتا ہے اور عقل وہ ہے جس کو انسان محسوس کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ عقل وہ ہے جو تجھ کو ہلاکت کے مقامات سے دور رکھتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ عقل کی اصل خاموشی ہے اور اس کا باطن بھیدوں کا چھپانا ہے اور اس کا ظاہر ہر سنت کی پیروی ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب خواہش نفسانی غالب ہو جائے تو عقل غائب ہو جاتی ہے۔

لے عرفاء کی دعا تھی کہ اللہ ہم ادنا الاشیاء کما ہی (اللہ ہم کو چیزوں کو دکھا جیسی کہ وہ ہیں یعنی ان کی حقیقت و ماہیت کا علم دے)

کہا گیا ہے کہ اگر تم کو کسی شخص کی نسبت یہ جاننا ہو کہ وہ عاقل ہے یا احمق، تو اس سے محال باتیں بیان کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کر لے تو سمجھ لو کہ وہ احمق ہے۔
 کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی شخص کے علوم کے محتاج ہو تو اس کے عیوب پر نظر نہ ڈالو ورنہ اس کے علوم سے فائدہ اٹھانے کی برکت سے محروم رہو گے۔

(۲۷)

اس بارے میں کہ مرید ابتدائی حالت میں کن ادا کج ملحوظ رکھے

غفلت سے بیدار ہونے کے بعد مرید پر سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ اپنے زمانہ کے شیخ کا قصد کرے جس کی دینداری پر بھروسہ کیا جاسکے اور نصیحت اور امانت میں مشہور و معروف ہو اور سلوک کے راستہ سے واقف ہو۔ اگر ایسا شیخ مل جائے تو مرید کو چاہئے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور اس کی خدمت میں مشغول ہو جائے اور اس کی مخالفت کو ترک کرے اور اپنی حالت کو سچائی پر مبنی رکھے۔

پھر شیخ پر لازم ہے کہ مرید کو رجوع الی اللہ کی کیفیت معلوم کرائے اور اس کا راستہ بتائے اور اس پر چلنا آسان کرے اور اس کو اسلام کے احکام اور اس کے لئے جو مفید یا مضربا تیں ہیں ان کی تعلیم دے اور تمام چیزوں سے پہلے بہتر اور اولیٰ اس کے لئے یہ ہے کہ کھانے اور پینے میں عفاف کو ملحوظ رکھے کیونکہ اس سے اس کی حالت میں زیادتی ہوگی۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان کے لئے بعد فرض نماز کے ایک فریضہ ہے اور بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے کہ حلال کا طلب کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور حلال کا ترک اس طائفہ (صوفیہ) پر فرض ہے مگر یہ کہ بقدر ضرورت ہو۔

پھر جو فرائض ضائع ہو گئے ہیں ان کو پورا کرنا اور جن لوگوں پر ظلم ہو گیا ہے اس کی تلافی کرنی چاہئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دانگ کا واپس کرنا جو حرام سے حاصل کیا گیا ہو اللہ کے پاس سترج میرور کے برابر ہے۔

اگر اس نے کسی کو مارا ہے یا زخمی کیا ہے یا (کسی کے عضو کو) قطع کیا ہے تو اس کا قصاص ہونا چاہئے یا اگر کسی کی غیبت یا چغٹوری کی یا کسی کو گالی دی ہے تو اس کا معاوضہ دیا کرے

اور جس شخص کے متعلق یہ امور سرزد ہوئے ہوں اس سے معافی چاہیے۔

اس کے بعد اپنے نفس کی معرفت حاصل کرے اور ریاضتوں سے اس کی تادیب کرے
نفس کی دو صفیں ہیں کہ وہ شہوتوں میں منہمک رہتا ہے اور طاعتوں سے باز رہتا ہے تو
اس کو مجاہدات کے ذریعہ رام کرنا پڑے گا اور وہ اس طرح کہ اس کو اس کے مایوس چیزوں سے
باز رکھے اور جن باتوں سے وہ گریز کرتا ہے اس کو کرنے کے لئے آمادہ کرے اور شہوتوں سے
اس کو منع کرے اور تکالیف اٹھانے کی عادت ڈالے اور اس کو کڑے گھونٹ پلائے
اور اوراد کی کثرت رکھے اور روزے اور نوافل کی پابندی کرے۔ غرض یہ کہ نفس کی مخالفت
میں ثابت قدم رہے اور بری عاذنیں اس سے چھڑا لے اور اس بات کی کوشش کرے
کہ بجائے نیند کے بیدار رہے اور سیر ہو کر کھانے کے بھوکا رہے اور خوش حالی کی بجائے
تنگی کو پسند کرے۔ اس وقت وہ تائبین اور اللہ کی محبت سے مختص لوگوں میں شمار کیا جائے گا
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين (اللہ تو بہ
کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جو نوجوان تائب ہو تو وہ اللہ کا دوست ہے اور ان لوگوں میں اس کا شمار ہے جس کے
متعین اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يبذل الله سيئاتهم حسنات (اللہ ان کے گناہوں کو
نیکیوں میں بدل دے گا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ
بعض لوگ اس امر کی تمنا کریں گے کہ کاش ان کے گناہ زیادہ ہوتے۔ کہا گیا ہے کہ وہ کون
ہیں تو آپ نے فرمایا: ”وہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا“
ایسا شخص ان مخصوص لوگوں میں ہو گا جن کو عرض کے اٹھانے والے فرشتے دعا دیں

لہ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ مشہور عبد شمس بن عامر ہے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد
عبد اللہ رکھا گیا۔ آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ آپ نے ۵ ہجری میں ہجرہ، ۶ سال
وفات پائی۔

چنانچہ فرمایا: فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك - آلائیہ (پس تو معاف کر ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی۔ آلائیہ) اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان کے رتبہ کو بڑھا دیا ہے کیونکہ عالمین عرش ان کے لئے دعا دینے والے بنائے گئے ہیں (بمثل هذا فليعمل العاملون - پس اس طرح عمل کرنے والے عمل کریں) خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: فليتنافس المتنافسون (فخر کرنے والے اس پر فخر کریں)

توبہ تمام مومنین پر فرض ہے کیونکہ خدا سے تعالیٰ نے فرمایا ہے: توبوا الى الله جميعا ايها المومنون توبه نصوصاً (اے ایمان والو! تم تمام توبہ کرو اور اللہ کی طرف خلوص کے ساتھ رجوع ہو) نیز خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: من لم يتب فاولئك هم الظالمون (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ظالم ہیں)

بعض مشائخ نے بیان کیا ہے کسی گناہ سے توبہ کرنے میں تمہاری غفلت اس گناہ سے زیادہ بری ہے جس کا تم نے ارتکاب کیا اور اگر کسی شخص کو قبل توبہ موت آجائے تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے (چہا ہے بخشے یا عذاب دے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وان ربيث لذنوبكم مغفرة للناس على ظلمهم (کو تیرا رب مغفرت کرنے والا ہے لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے) آلائیہ

اور توبہ کا وقت اس وقت تک باقی ہے جب تک کہ روح حلقہٴ موت تک نہ پہنچ جائے یا یہ کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: يوم ياتي بعض آيات ربك لا ينفع نفساً ايماؤها لعل تكن امنت من قبل او كسبت في ايمانها خيراً (جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو اس وقت کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو اپنے ایمان سے بھلائی حاصل نہ کی ہو)

پھر اس کے بعد اس کو چاہئے کہ ہر حالت میں پرہیزگاری کو اختیار کرے اور اس بات کو خوب سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح اس کا محاسبہ کرنے والا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: وان كان مثقال حبة من خردل اتينا بها وكفى بنا حاسبين (اگر ایک چھوٹے

وانہ کے برابر بھی اس کا عمل ہو تو اللہ اس کا محاسبہ کرے گا اور اللہ سے بڑھ کر کون حساب کرنے والا ہے)

جب مقام توبہ و ورع (پرہیزگاری) حاصل کرے تو اس کو چاہئے کہ مقام زہد میں قدم رکھے اور اس وقت خرقہ (لباس صوفیہ) کے پہننے کا وقت آئے گا (یعنی جائز ہوگا) اور اگر اس کو خرقہ پہننے کی جانب رغبت ہو تو اس کے حقوق (اور ذمہ اریوں) کا خیال رکھے تاکہ وہ خرقہ کو عیب نہ لگائے اور اس کو ذریعہ نمائش و نام و نمود نہ بنائے۔

اب یہ قاعدہ باقی نہ رہا اور امتیاز اٹھ گیا ہے اور شیرازہ انتظام میں خلل پیدا ہو گیا ہے اب لوگ فائدہ حاصل کرنے کے لئے خرقہ پہنتے ہیں اور یہ خواہش ہوتی ہے کہ پیروی کرنیوالوں کی تعداد بڑھے، جس کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے اور عدا بڑھ گیا ہے۔

جس شخص نے اپنے آپ کو آداب صوفیہ سے متوق کیا اور نفس کو ریاضتوں اور مشقتوں اور مجاہدوں سے رام کر لیا اور مصائب اٹھائے اور ان کے کڑوے گھونٹ پیئے کا عادی ہوا اس پر خرقہ کا پہننا واجب ہے۔

نیز وہ (شخص خرقہ پہن سکتا ہے) جس نے مقامات کو طے کر لیا ہو اور ایسے مشائخ صوفیہ کے آداب سے اپنے آپ کو رنگ دیا ہو جو پیروی کرنے کے قابل ہوں اور انھوں نے سچے لوگوں کی صحبت اٹھائی ہو۔

جس شخص کی صفت یہ نہ ہو تو اس کو مشائخوں کی ریس کرنی اور پیری، مریدی کو پیشہ بنانا حرام ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے افعال کے عیوب پر نظر نہ رکھے اور رعونت نفس کو دور نہ کرے اور اس کے لئے علاؤجد و حمد نہ کرے اس کی پیروی جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد مرید کے لئے لازم ہے کہ نفس کو مجاہدات کا غور بنائے اور دیکھے کہ کہاں کچھ زیادتی ہے اور کون سی باتیں اس کے لئے مفید اور کون سی مضر ہیں۔

اور اپنی حالت کو اپنے شیخ پر نظر کرتا رہے اور ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ کہاں زیادتی ہوئی ہے اور کہاں نقصان ہے۔ خدا سے تعالیٰ فرماتا ہے: فمن يعمل مثقال

ذَرَّةٌ خَيْرًا يَوْمَ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو اس کو دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی بُرائی کرے گا تو اس کو دیکھے گا)

کہا گیا ہے کہ وہ شخص عقلمند نہیں ہے جو اپنی حالت کا اظہار طیب پر نہ کرے جو حضرت شیخ محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہر وہ مرید جو دن اور رات میں اپنے حالات اور واردات کے متعلق سوال نہ کرے تو وہ طریق تصوف کا سناک نہیں ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک جماعت مریدوں کی حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مسافر ہوئی ان کو آپ نے غافل پایا کیونکہ انہوں نے کسی مسئلہ کے متعلق نہیں پوچھا۔ اس پر آپ نے یہ شعر پڑھا

كُفِيَ حُزْنًا بِالْوَالِدِ الصَّبِيبِ ان يَمُرْ

منازل من يهوى معطلة قفراً

(عاشق دیگر کے لئے یہ غم بہت ہے کہ وہ اپنے معشوق کے منازل کو خالی اور برباد دیکھے) اس کے بعد مرید کو چاہئے کہ مقامات کو ان کی ترتیب کے ساتھ طے کرنے کی کوشش کرے اور کسی مقام سے دوسرے مقام کی طرف اس وقت تک منتقل نہ ہو جب تک اس کے آداب کو اچھی طرح درست نہ کر لے۔ زہد کے ساتھ اس وقت تک اشتغال نہ کرے جب تک ورع (پرہیزگاری) سے فارغ نہ ہو جائے اسی طرح اور مقامات کا حال ہے یہاں تک کہ مقامات قلب تک پہنچ جائے۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ حرکات قلب کا عمل زیادہ اشرف و اعلیٰ ہے حرکت اعضا کے عمل سے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر ابو بکرؓ کے ایمان کو تمام دنیا کے لوگوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابو بکرؓ کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا“ نیز آپ نے فرمایا: ”ابو بکرؓ کو نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے فوقیت نہیں ہے بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے دل میں گھر کی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا غور اس وقت ہوا جبکہ آپ نے وفات پائی اور جو بات حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہوئی وہ دوسروں سے ظاہر نہ ہو سکی۔

چنانچہ وہ اس موقع پر منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: جو لوگ تم میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے وہ سن لیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی پرستش کرتے تھے وہ جان لیں کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل رتہ سے (جو اسلام سے پھر گئے تھے) قتال کیا اور اسلام کی حفاظت کی۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ جب معاملات قلوب تک پہنچ جاتے ہیں تو اعضاء کو آرام مل جاتا ہے اور اس وقت مرید عمارت باطن کی طرف مشغول ہو جاتا ہے اور احوال کو برتنا اور اسرار کی نگہداشت اور انفاس کا شمار اس کا مشغلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فقیر کی عبادت خواطر کی نفی ہے۔ اس بات سے اس کو اچھی طرح ڈرتے رہنا چاہئے کہ وہ اپنی ابتداء کو لوگوں کی تعریف و توصیف سے خراب نہ کرے بلکہ اس کو اپنے نفس کی معرفت کی جانب رجوع کرنا چاہئے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ الفاظ کا سنا آنکھوں سے دیکھنے کے برابر نہیں ہے۔

مرید کو چاہئے کہ وہ دن کو روزے رکھے اور راتوں میں نمازیں پڑھے اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر مرید جو اپنے نفس کو دن میں روزہ رکھنے اور رات کو نماز پڑھنے کا عادی نہ بنائے تو وہ ایسی بات کی تمنا کرتا ہے جس کے لئے وہ موزوں نہیں ہے۔

پھر مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کا خیال رکھے اور ان کو کسی نہ کسی نیک کام میں صرف کرے کیونکہ اگر وقت چلا جائے تو پھر اس کو لوٹا یا نہیں جاسکتا۔ دیکھا وقت پھر

لے خواطر جمع خطوہ۔ دل میں جو دوسو سے گزرتے ہیں اس کو خطرات یا خواطر کہتے ہیں۔

لکھ لینے دیکھنے سے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ سننے سے نہیں ہوتے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ”شہیدہ کے بودماند دیدہ“

ہاتھ آتا نہیں)

اکی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عقلمند کو چاہئے کہ وہ ان تین امور میں سے کسی نہ کسی میں مشغول رہے یا تو اپنی معاش کی درستی میں یا معاد (آخرت) کی تیاری میں یا حلال کی لذت میں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مومن کے لئے چاہئے کہ اس کے اوقات چار حصوں میں تقسیم ہوں۔ ایک حصہ رب کی مناجات میں اور ایک حصہ نفس کے محاسب میں اور ایک حصہ ان علماء کے ساتھ جو خدا کے احکام میں اس کو مدد دیتے اور نصیحت کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے نفس اور اس کی جائز لذتوں میں۔“

جریری کا بیان ہے کہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو وہ غلگین معلوم ہوئے میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ مجھ سے ایک ورد نہ ہو سکا تو میں نے کہا کہ اس کو دوسرے وقت پورا کر لیجئے۔ جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اوقات گئے چُنے ہوتے ہیں۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ جو شخص ایک قدم بھی آگے بڑھ گیا ہو بشرطیکہ وہ سچا ہو تو اس کو دوسرا شخص ہو چکے آ رہا ہو نہیں پکڑ سکتا۔

مرید کے لئے واجب ہے کہ اس کا ظاہر اور اد سے خالی نہ رہے اور اس کا باطن ارادات (شوق و محبت) سے یہاں تک کہ اس پر واردات (تجلیات) کا نزول ہونے لگے۔ اس وقت اس کو واردات کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے نہ کہ اوراد سے۔ بعض مشائخ نے ایک شخص کے ہاتھ میں تسبیح دی تھی تو اس سے پوچھا کہ اس سے تم کیا کرتے ہو تو اس نے کہا کہ میں تسبیحات کو اس سے گنتا ہوں تو انہوں نے فرمایا: تم کو چاہئے کہ اپنی برائیوں کو گنتو۔

لے علی بن ابی طالب: امیر المومنین خلیفہ چہارم آں حضرت کے چچے بھائی اور داماد سیّدہ فاطمۃ الزہراؑ کے شوہر حضرت حسنؑ اور امام حسینؑ کے والد بزرگوار، کم عمروں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، شجاعت اور بہادری میں پیش اور مقامات کے فیصل کر نے میں بے نظیر، آپ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی خدمت کو غنیمت سمجھے اور اس کو نوافل پر مقدم رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے گھر میں بیکار نہیں رہتے تھے یا تو کسی مسکین کے بچے کو درست کرنے یا کسی بیوہ کے کپڑے کو سینتے۔

حضرت ابو عمرو والذجاجی سے حکایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مدت تک رہا۔ انھوں نے مجھ کو ہمیشہ کسی نہ کسی عبادت میں مشغول دیکھا اور مجھ سے بات چیت نہیں کی یہاں تک کہ ایک دن لوگوں سے ان کی جگہ خالی ہوئی (یعنی تنہائی نصیب ہوئی) اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں چلے گئے تو میں اٹھا اور اپنے کپڑے اتارے اور اس جگہ کو جھاڑا، پاک صاف کیا اور اس پر پانی چھڑکا اور طہارت کی جگہ دھویا جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ وہاں آئے تو مجھ پر گرد و غبار کا اثر دیکھا مجھ کو بلایا اور میری تعریف کی اور مجھ کو دعا دی اور تین بار کہا کہ: تم نے بہت اچھا کیا اور اس کو اپنے لئے لازم کرو۔

مرید کے لئے مکروہ ہے کہ وہ اپنے استاد کو دل کی آنکھ کھلنے سے پہلے چھوڑ بیٹھے بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ اس کے امرونی کے تحت اس کی خدمت میں صبر کرتا رہے۔ بعض شیوخ نے کہا ہے کہ جو اپنے شیوخ کے احکام و تادیب سے متادب (ترتیب یافتہ) نہ ہو تو وہ کتاب و سنت سے بھی متادب نہیں ہو سکتا۔

کہا گیا ہے کہ سچے مرید کی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری کرے نہ کہ مرشد سے دلیل حجت طلب کرے اور طلب کے معالجہ پر صبر کو ترک کر دے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ اپنی شہوات پر جما ہوا ہے اور خواہشات نفسانی کا جویا ہے تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔

لے حضرت عائشہ صدیقہؓ، زوہر مکرّم رسول اللہ ﷺ، ام المؤمنین، فقہائے صحابہ آپ کے پاس سنت نبوی اور علم دین حاصل کرنے کے لئے رجوع ہوتے تھے اور استفادہ فرماتے تھے۔ ۵۷ھ اور بقول بعض ۵۸ھ میں وقتا پائی۔

اور اگر دیکھو کہ متوسط اپنے قلب کی حفاظت اور اپنے احوال کی مراعات سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ وہ کذاب ہے اور اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ معرفت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مدح و ذم اور قبول و رد میں تیز کرتا ہے تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر علامات نہ ہوتے تو ہر شخص سلوک طریقت کا مدعی ہوتا۔ خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَعَرَفْتُمُوهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ (البقرہ تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لو گے اور ان کی گفتگو کے طرز سے تم کو معلوم ہو جائے گا)

مرید کو یہ جاننا واجب ہے کہ جس کے لئے کوئی مقام اور حال اور عبادت مفید نہیں ہو سکتی اگر وہ اخلاص کے ساتھ نہ ہو اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ وہ مخلوق کے دیکھنے سے پاک و صاف ہو (یعنی بحالت عمل مخلوق پر نظر نہ ہو) حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں سب سے بڑھ کر شرک سے بیزار (اور کسی شریک کی شرکت کا روادار نہیں ہوں) اگر کسی نے کوئی عمل کیا جس میں سواے میرے کسی اور کو شریک رکھا تو میں اس سے اور اس کے عمل سے بری ہوں“ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہر ایک حق بات جس میں باطل کی شرکت ہو وہ حق کی قسم سے نکل کر باطل کی قسم میں آجاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ غیور ہے۔ لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اپنے احوال اور عبادات کا اظہار بغیر قصد و ارادہ کے ہو جائے۔

اخلاص اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک کہ مخلوق کے قدر و مرتبہ اور ان کے ضعف اور قلت نفع و ضرر کی معرفت نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا ہے: لَمْ تَعْبُدْ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يَبْصُرُ وَلَا يَغْنَى عَنْكَ شَيْئًا (تم اس کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سُن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ وہ تم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے)

لے اس کے معنی یہ ہیں کہ تلوین سے غش اور مذمت سے ناراض ہونا اور شہرت و غور نامی کا طالب ہے اور معرفت کا بھی مدعی ہے تو ایسا شخص معرفت الہی سے بے بہرہ اور جھوٹا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایمان کی حلاوت نہیں پائے گا جب تک کہ وہ یہ جان لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ خطا نہیں کر سکتا تھا یعنی اس کا پہنچنا ضروری تھا، اور جس نے پہنچنے میں خطا کی ہے وہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔
 نیز آپ نے فرمایا: یہ صنعت یقین کی بات ہوگی کہ تم لوگوں کو راضی رکھنے کے لئے اللہ کو ناخوش کرو اور ان کی تعریف اس وجہ سے کرو کہ اللہ نے تم کو (ان کے توسط سے) رزق پہنچایا اور ان کی مذمت اس وجہ سے کرو کہ ان کے ذریعہ سے اللہ نے تم کو کچھ نہیں دلایا کیونکہ اللہ اپنے رزق کو کسی حریص کا حصہ نہیں دلاتا اور کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندگی اس کو باز رکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَاَنْ يَّمْسِكَ اللَّهُ بَصْرًا فَلَا تَكُنْ لَكَ اِلٰهُ اَوْ اِلٰهُ يَدُنْ عَجِيزٍ فَلَا دَافِعَ لَكَ مِنْهُ يَصِيبُكَ مِنْ اِشَاءِ“ اگر تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو بجز اس کے کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو روکنے والا کوئی نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے (اپنا فضل پہنچاتا ہے)

(۲۸) مراعات نفس کے بارے میں

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی نگہداشت کرتا رہے اور اس کے اخلاق کو پہچانے کیونکہ وہ (امانة بالسوء) برائی کا حکم دینے والا ہے اور اس سے کبھی غفلت نہ کرے۔ اگرچہ وہ معرفت میں انہما کو پہنچا ہوا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نفس کی نگہداشت فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”میری اور میرے نفس کی مثال ایسی ہے

لے خواہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بعل امت کی تعلیم کے لیے تھا کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میرا شیطان، اسلام لا چکا ہے۔

جیسے بکریوں کا چرواہا، جو اپنی بکریوں کو ایک جانب لے جانے کے لئے اکٹھا کرتا ہے تو وہ دوسری جانب بھٹک جاتی ہیں۔

ابوبکر الوثاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ نفس تمام احوال میں خود نما ہے اور زیادہ تر احوال میں منافق ہے اور بعض احوال میں مشرک ہے۔

حضرت واصل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ نفس ایک مُبت ہے۔ اس کی طرف رغبت سے دیکھنا شرک ہے اور اس کے بارے میں غور کرنا اور سوچنا عبادت ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کی مثال حُسن کو ظاہر کرنے اور بُرائی کو چھپانے میں ایک انگارہ کی سی ہے جس کا رنگ تو اچھا ہے لیکن اس کا کام جلانا ہے اور اگر نفس کے ساتھ سختی ہوتی ہے تو وہ توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بُرائی سے رجوع کرتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے خواہشات کا از تکاب کرتا ہے اور بھلائیوں سے روگرداں ہو جاتا ہے۔

خدا سے تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَإِذَا الْاِنْعَمَاءُ عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَأْبِغَانِبَهُ وَاِذَا
مَسَّهُ الشَّرْفُ ذُو دَعَاءٍ عَوِیْضٍ“ (جب ہم انسان کو اپنے انعام سے سرفراز کرتے ہیں
تو وہ روگردانی اور پلوتہی کرتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو لمبی
چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔)

کہا گیا ہے کہ نفس کی مثال ایک صاف و شفاف پانی کی سی ہے جو ساکن ہو اور

لے ان کا نام محمد بن عمر ہے۔ ان کو حکیم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اصل میں ترمذ کے رہنے والے
ہیں۔ بڑے میں اقامت اختیار کی۔ چوتھی صدی کے اوائل میں انتقال ہوا۔

یہ خراب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ نفس بہشت میں بھی کے گا کہ اے کاش میرے لوگ جانتے
کہ کس طرح میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو باعزت بنایا اور اکثر احوال میں منافق کے
معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے عیب کو چھپانا اور ہنر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ نفس کے شریک ہونے کے
معنی آئندہ فقرہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

جب اس کو حرکت دی جائے تو وہ اپنی بدبو اور گندگی کو ظاہر کرتا ہے۔

طالب کو جاننا چاہئے کہ نفس اپنے دعوٰی میں اللہ کا خدا اور اپنے مطالبہ میں اس کا مہمسر ہونا چاہتا ہے اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ وہ اس کی حمد و ثنا کریں لیکن نفس اپنی تعریف پسند کرتا ہے۔ خدا نے اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کے حکم کو مانیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہیں۔ لیکن نفس یہ چیزیں اپنے لئے طلب کرتا ہے۔ خدا نے اس بات کا مطالبہ کیا ہے بندے اس کی سخاوت و کرم کی توصیف کریں لیکن نفس یہ توصیف اپنے لئے چاہتا ہے۔ خدا نے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بندوں کے پاس مرغوب ہو اور بندے اس سے ڈرتے رہیں لیکن نفس اپنی طرف راغب کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ نفس ایک لطیف ہے جو انسان کے قلب میں ودیعت کیا گیا ہے اور وہ اخلاق مذمومہ کا محل ہے اور رُوح ایک لطیف ہے جو انسان کے قلب میں ودیعت کیا گیا ہے اور صفات محمودہ کا محل ہے جیسا کہ آنکھ دیکھنے کا محل ہے اور کان سننے کا محل اور ناک سونگھنے کا محل ہے۔

کہا گیا ہے کہ رُوح خیر کا معدن ہے اور نفس شر کا معدن ہے اور عقل رُوح کا لشکر اور خواہشات نفس کا لشکر ہیں اور توفیق، اللہ کی طرف سے رُوح کی مدد ہے اور نگوں ساری اور شر مندگی نفس کی مدد ہے اور قلب ان دونوں لشکروں میں سے غالب کے ساتھ ہے۔

طالب کو یہ جان لینا چاہئے کہ حاصل کلام تین چیزیں ہیں: ایک وہ جس کی رُشد و ہدایت ظاہر ہو چکی ہے اس کی متابعت واجب ہے اور ایک چیز ایسی ہے جس کی گمراہی واضح ہے اس سے دُوری اختیار کرنا لازم ہے اور ایک چیز ہے کہ جو مشتبہ ہے اس میں توقف کرنا ضروری ہے یہاں تک از روئے علم یا عقل اس کی ہدایت یا گمراہی واضح ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم کو ایسے امور پیش آئیں جن کو تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کونسی

بات اچھی ہے تو تم کو دیکھنا چاہئے کہ تمہاری خواہش نفسانی میں سے کون سی بات زیادہ تر بعید رہے اور جو بعید ہو وہی اچھی ہے۔

مربد کو لازم ہے کہ وہ اخلاق نفس کو بدلنے کی کوشش کرے جیسا کہ کبر، کینہ، حرص، طول امل، حسد، لڑائی جھگڑا، غیبت، اختلاف، بدگمانی، بے شرمی وغیرہ وغیرہ اخلاق ذمیرہ میں سے ہیں اور اس کے ضد، اخلاق حمیدہ ہیں اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔

(۲۹) ادا ب صحبت کے بیان میں

کہا گیا ہے ۷

وحدة الانسان خير من خليل السوء عند

جليس الخير خير من جلوس السوء وحدة

دا انسان کا اکیلا رہنا بہتر ہے۔ بُرے ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے

انسان کے اکیلے رہنے سے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انسان اپنے دوست کے دین پر ہونا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔“ اور آپ نے فرمایا: ”اُس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو کسی سے الفت نہیں رکھتا نہ کوئی اس سے الفت رکھتا ہے۔“

حضرت ابو حفص نیشاپوری سے سوال کیا گیا کہ مصاحبت کے بارہ میں احکام

لے ان کا نام عربینِ اسلام ہے۔ بعض لوگوں نے عربینِ مسلمہ لکھا ہے۔ حضرت جنیدؒ کا ان کے متعلق قول ہے: اگر میں ان کو دیکھتا تو میرے لئے کافی تھا۔ ان کا قول تھا کہ جو شخص اپنے اقوال و اعمال کا موازنہ کتاب و سنت سے نہ کرے اور اپنے خطرات قلبی پر قابو نہ رکھے تو اس کا نام مردانِ خدا کی فہرست میں نہ لکھا جائے گا۔ ان کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ۲۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

(صغرة الصفوة ج ۴ ص ۹۹)

مذہب اور پرہیزگاری پر ظاہر اور باطن میں وہ بھروسہ رکھتا ہو۔

صوفیہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی خدمت کرے اور ان کی تکلیف کو دُور کرے اور اگر ان سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو برداشت کرے اور ان پر اعتراض نہ کرے بجز ان امور کے جو مخالف شرع ہوں اور ہر ایک کی قدر اس کے مرتبہ کے موافق کرے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں کے مرتبہ کو پہچاننے میں جاہل ہو تو وہ اپنے نفس کے مرتبہ کو پہچاننے میں زیادہ جاہل ہوگا۔“
یہ بھی فرمایا: ”لوگوں کا مرتبہ کوئی کم نہیں کرتا بجز اس کے کہ وہ خود اپنی آپ قدر میں کرتا۔“

اور اگر اپنے ساتھی میں کوئی عیب ہو تو اس کو بتائے اور ایسی باتوں کی طرف اس کی رہنمائی کرے جس میں اس کی فلاح و بہبودی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”خدا اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جس نے مجھ پر میرے عیوب کو ظاہر کیا۔“

ان کے آداب میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی حالت اور لیاقت کے بموجب دوسرے کے ساتھ صحبت رکھے۔ مشائخین اور بزرگوں کے ساتھ محبت، ان کے احترام اور خدمت اور تعظیم و توقیر اور ان کے کام انجام دینے سے ہوگی اور ہمسراشخاص سے کشادہ پیشانی اور خوشی و مسرت اور موافقت کے ساتھ ملنے اور ان کے ساتھ بھلائی اور احسان اور ایسا برتاؤ کرنے سے جو مناسب وقت ہو۔

لے عربی الخطاب، امیر المؤمنین خلیفہ دوم ہیں۔ آپ کا لقب فاروق ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت مشہور ہیں۔ آپ کے زمانہ خلافت میں شام اور مصر اور بہت سے ممالک فتح ہوئے۔ آپ کی شان میں آنحضرت نے فرمایا: ”میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔“ ۶۳ سال کی عمر میں ۴۴ھ میں شہید ہوئے۔

حضرت ابو العباس بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے اپنے مریدوں کے سامنے پاؤں پھیلانے اور کہا کہ ایل ادب کے سامنے ادب کا ترک کرنا ادب ہے۔ حضرت عبید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”دوستی سچی ہوتی ہے تو ادب کے شرائط ساقط ہو جاتے ہیں۔“

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے تو آپ نے اپنے جسم کو چھپایا اور کپڑوں کو برابر کر لیا اور بیٹھ گئے۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”میں اس شخص سے کیسے چاہتا ہوں جس سے ملائکہ شرماتے ہیں“ اس طرح آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بزرگی کا لحاظ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سادگی اور بنے نکلنے کی حالت تھی۔

اگر اپنے ساتھیوں کا کوئی عمل مخالفت مذہب ہو تو ملامت سے کام نہ لے۔
رویم کہتے ہیں کہ صوفیہ کی حالت اس وقت تک بہتر رہی جب تک کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ منافرت (اختلاف) کرتے رہے اور جب انہوں نے باہم صلح کر لی یعنی رواداری کو اختیار کر لیا تو ہلاک ہو گئے۔

حق بات کو قبول کر لینا اور اس کے آگے تسلیم خم کر لینا چاہئے۔
روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب کے

لے نرمی و رواداری

سے غالباً اس قول کے یہ معنی ہیں کہ جب تک تنقید اور نکتہ جینی کی صفت صوفیہ میں باقی رہی اس وقت تک اصلاح ہوتی رہی لیکن جب انہوں نے غلطیوں کو گوارا کر لیا اور غلطیوں کو بنظر تسامع دیکھنے لگے تو خرابی پیدا ہو گئی اس لئے حدیث میں آیا ہے: ”الدين النصيحة (دین نصیحت کا نام ہے)“

تہ آنحضرت کے چچا۔ آپ سے تین برس عمر میں بڑے تھے۔ غزوہ بدر کے بعد مدینہ میں ہجرت فرمائی تھی۔
۳۲ھ میں بڑا مائے علالت حضرت عثمان وفات پائی جب کہ آپ کی عمر ۸۸ سال تھی اور بقیع میں دفن ہوئے۔

ایک پرنالی کو اکھاڑ دینے کا حکم دیا جس کا پانی صفا اور مردہ کے درمیان گزرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”تم نے اس پرنالی کو اکھڑا دیا ہے جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایسی صورت میں آپ ہی کے ہاتھ اس کو اپنی جگہ پر رکھیں گے اور اس کے لئے عمر کے کندھوں کے سوا کوئی سیڑھی نہ ہوگی۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر چڑھ کر اس پرنالی کو اپنی جگہ پر لگادیا۔

چھوٹوں کے ساتھ شفقت، ارشاد اوزنادیب (ادب سکھانا) کے ساتھ پیش آنا چاہئے اور ان کو یہ بتانا چاہئے کہ کس چیز میں ان کی بھلائی ہے نہ یہ کہ جو ان کی خواہش ہے اس کے مطابق عمل کرنے کو کہا جائے بلکہ جو ان کے لئے بہتر ہے اس کی ہدایت کرنی چاہئے نہ یہ کہ ان کی پسند کا خیال رکھا جائے اور ان کو لایعنی باتوں پر بھٹکانا چاہئے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی جب کہ انھوں نے اپنی قوم کو منہیات سے زبردستی چھوڑ دی کس طرح مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: **لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَ**
الْأَحْبَادُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَالْكَلِمَ السَّعَتِ (کاش ربانی اور اجارہ (علمائے یہود) ان کو گناہ کی باتوں سے اور حرام خوری سے منع کرتے)

استناد کے ساتھ صحبت یہ ہے کہ اس کے امر و نہی کی پیروی کی جائے اور یہ حقیقت خدمت ہے نہ کہ صحبت۔ حضرت ابو منصور المغربی سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضرت عثمان کے ساتھ کس طرح مصاحبت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان کی خدمت کی نہ کہ ان کی مصاحبت۔

استناد کی خدمت بجالانا اور صبر کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرنا اور اس کی مخالفت کو ظاہر و باطن میں ترک کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ان کی باتوں کو قبول کرنا اور جو کچھ (راہ سلوک میں) پیش آئے اس کے متعلق اس سے رجوع کرنا اور اس کی تعظیم اور حرمت کا خیال رکھنا اور علانیہ اور پوشیدہ اس پر اعتراض کرنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُواكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا**

يُحِبُّ دَانِي انْفُسَهُمْ حَرْجًا مَتَا قَضَيْتَ وَيَسْتَمُوا تَسْلِيمًا (قسم تیرے پر دروگاری وہ لوگ ایمان والے نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے جھگڑے میں تم کو حکم نہ بنائیں اور دل میں تمہارے فیصلہ کے متعلق کوئی شک نہ کریں بلکہ اس کے آگے اپنا سر جھکا دیں اور اس کو تسلیم کر لیں۔

کہا گیا ہے شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بعض احباب نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا۔ وہ اس کے متعلق حجت کرنے لگے تو آپ نے یہ آیت پڑھی: "فَان لَّهٗ تَوَكَّلُوْا لِیْ فَاَعْتَزْلُوْا" (اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لانے تو مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دو)

شیخ کی صحبت میں اس طرح رہنا چاہئے جیسا کہ صحابہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ قرآن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کے آداب اس طرح بتائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَاۤیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْعَدُوْا سُبُوْحَ یَدِیْ اللّٰهِ وَرِسُوْلِهِ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے نہ بڑھو یعنی جس قدر تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اس سے تجاوز نہ کرو)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَوْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو) اور فرماتا ہے: لَا تَجْعَلُوْا دَعَاۃَ الرَّسُوْلِ مِیثَقَکُمْ کَدَعَاۃِ بَعْضَکُمْ بَعْضًا (تم رسول کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو) بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جو کوئی اس شخص کی حرمت کا خیال نہ رکھے جس سے اس نے ادب سیکھا ہے تو وہ ادب کی برکت سے محروم رہے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو اپنے استاد سے "کیوں" کہہ کر سوال کرے گا تو کبھی فلاح حاصل نہیں کرے گا۔

خادم کے ساتھ برتاؤ لطف و نرمی کے ساتھ ہونا چاہئے اور اس کو دعا دینی چاہئے اور اگر اس سے کوئی بات سرزد ہو تو اس پر (فوراً) اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

لہٰذا مطلب یہ ہے کہ معمولی معمولی غلطیوں پر زبرد تو بیخ نہیں کرنی چاہئے جس سے کہ وہ بڑا رہ جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال تک کی لیکن آپ نے مجھ پر اظہارِ ناراضی کیا اور نہ مجھ کو چھڑکا اور اگر کوئی کام میں نے کیا تو یہ نہیں کہا کہ کیوں کیا اور اگر نہیں کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ اکثر آپ مجھ سے مزاج بھی فرماتے اور مجھ کو 'یا اذنا سین' (اے کانوں والے) کہہ کر بلاتے تھے۔ غبار کے ساتھ بڑاؤ بٹاشت، مسرت، کشادہ رُوئی اور حسنِ ادب سکے مسکے ہوئے کانوں ہونا چاہئے اور یہ غم کو غور کرنا چاہئے انہوں نے تمہاری تعظیم کر کے اور تمہارے پاس آکر اور تمہاری جانب متوجہ ہو کر غم کو تمہارے ہمسروں میں ممتاز کیا۔ پھر ان کی خدمت اور اکرام و تعظیم میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ ان کی خواہشات کو سکون کے ساتھ سننا اور ان کی فرمائشات پر صبر کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: الذین یحبون من ہاجوا الیہم (وہ لوگ دوست رکھتے ہیں ان کو جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے) پھر فرمایا: والذین اودوا و نصدوا اولئک بعضہم اولیاء بعض (اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں)

جہاں کے ساتھ صحبت، صبر، حسنِ خلق، مدارات کے ساتھ ان کی سختی کو برداشت

جاہلوں سے میل جول

کرنے اور ان کو بر نظر رحمت دیکھتے ہوئے ہونی چاہئے اور مرید کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس پر اللہ کا کس قدر فضل و احسان ہے کہ اس نے اس کو ان کے مقام پر نہیں رکھا۔ اگر ان سے کوئی ناگوار بات سرزد ہو تو حلم و تحمل سے کام لے اور ان کو اس سے زیادہ نہ کہے جو انبیاء نے اپنی قوم کو کہا جب کہ قوم نے ان کو ضلالت، سفاهت اور جہالت کی طرف منسوب کیا۔ قرآن مجید میں ہے: 'تَالِیْ قَوْمٍ لِّسَیْ ضَلَالَةٍ وَلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ' (یعنی اے قوم مجھ میں مگر ابھی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا گیا ہوں) اور کہا ہے مجھ میں نہ سفاهت ہے اور نہ جہالت۔ نیز قرآن میں ہے: 'وَ اِنَّا خٰطِبُہِمُ الْجٰہِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا' (جب کہ جاہلوں نے ان سے خطاب کیا تو انہوں

نے کہا سلام) نیز فرمایا: ”سلمہ علیکم لا نبتغی الجاہلین“ (تم کو سلام ہم جاہلوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے)

جس شخص کا جہل زیادہ قوی ہو اس سے علم اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ“ (کنواں لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو معاف کر دیں جو امید کے دلوں کی امید نہیں رکھتے) نیز فرمایا: ”وان تصبروا و تتقوا فان ذلک من عزم الامور“ (اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ بڑے عزم کی بات ہوگی)

ایک شخص نے حضرت شعبیؒ کو گالی دی اور فحش کلامی کی حضرت شعبیؒ نے اس کو کہا: ”اگر تم سچے ہو تو اللہ مجھ کو معاف کرے اور اگر تم جھوٹے ہو اللہ تم کو معاف کرے“

یہی بچوں کے ساتھ برتاؤ شفقت و مدارات کے ساتھ رکھے اور ان کو ادب سکھائے اور خدا کی طاعت پر آمادہ کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ”قوا انفسکم و اہلکم نارا“ (بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے)

اور اپنی بیوی کے ساتھ خصوصیت سے اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ”فامساك بمعروف او تسریح باحسان“ (یا تو نیکی کے ساتھ اپنی بیویوں کو رکھو یا احسان کر کے ان کو علیحدہ کر دو) اور ان پر دستور کے مطابق اپنی حلال کمائی خرچ کرے۔

یہ ایام امید (امید کے دنوں) سے مراد وہ واقعات ہیں جی میں اللہ نے کافروں پر عذاب نازل کیا اور ایمان والوں کو ان پر فتح و نصرت عطا کی۔

۱۔ ان کا نام عامر بن شراحیل ہے۔ کنیت ابوہریرہؓ کی ہے۔ شعب ہمدان کے رہنے والے تھے۔ مختلف صحابہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ثقات تابعین میں سے ہیں۔ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے

اور ۱۰۹ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۶۹)

کم سن لڑکوں کے ساتھ صحبت رکھنا مکروہ ہے کیونکہ لڑکوں کے ساتھ میل جول اس میں آفتیں ہیں اور اگر کسی کو اس مصیبت میں گرفتار ہونا ہی پڑے تو اس کو چاہئے کہ سلامت رومی اور حفاظت قلب و جوارح کے ساتھ ان سے میل جول رکھے اور ان کو ریاضت کرنے اور ادب سیکھنے اور لہو و لعب سے بچنے کی ترغیب دیتا رہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ چھوٹوں کا بڑوں کی صحبت میں رہنا خدا کی توفیق اور (خود اس کی) ہوشیاری کی دلیل ہے لیکن بڑوں کا چھوٹوں کی صحبت میں رہنا موجب شرمساری و حماقت ہے۔

اخوانِ طریقت کے ساتھ برتاؤ ہمکن ہوان کے ساتھ موافقت کی جائے اور ان کی مخالفت کو ترک کیا جائے بجز ان باتوں کے جن کو شریعت نے جائز نہیں رکھا اور کینہ اور حسد سے پرہیز کیا جائے اور اس چیز کو اختیار کیا جائے جن میں ایک دوسرے کی سلامتی ہو۔

بادشاہ کے ساتھ برتاؤ اس طرح ہو کہ اس کے بادشاہ کے ساتھ مصاحبت احکام کی تعمیل کی جائے اور اطاعت و فرمانبرداری کو ملحوظ رکھا جائے بجز ان امور کے جن سے اللہ کی معصیت اور رسول اللہ کی مخالفت ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ (اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور ان کی جو تم میں حکمران ہوں) اور اس کے حق میں دعا دیتا ہے اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات دیکھے تو اس پر اعتراض کرنے سے باز رہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے جب آپ کو

لے حدیث میں ہے: ”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ“ (مخلوق کی طاعت اللہ کی معصیت میں نہیں ہے)

حجاج کے مرنے کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: ”اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنے زمانہ کو پہچانا اور اپنی زبان کی حفاظت کی اور اپنے حاکم کے ساتھ مدار کیا۔“

بادشاہ کے پاس جانے کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر وہ عادل ہے تو وہ ان سات لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جب کہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ ایسے بادشاہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

لیکن اگر بادشاہ ظالم ہے تو اس سے دوری واجب ہے بجز اس کے کوئی شخص (وادخواہی کے لئے) مجبور ہو جائے یا یہ کہ اس کو نصیحت کی ضرورت ہو یا اس کے کسی فعل پر اعتراض ضروری ہو جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ غالباً (بادشاہ کی) قربت سے سلامت رہے گا۔

حکایت ہے کہ بعض خلفاء نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنی چاہی جب

لے حجاج بن یوسف الثقفی، عبد الملک بن مروان کی جانب سے جاز، عراق اور خراسان کا عامل رہا ہے۔ ۷۷
نہراؤں بے گناہ آدمیوں کا اس نے خون بہایا۔ ظلم و ستم میں مشہور تھا۔ بڑا فصیح، بلیغ بڑا بہادر شخص تھا
۹۵ ھ میں فوت ہوا۔

لے زمانہ کو پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ حالات زمانہ کو ملحوظ رکھا اور اس کے بموجب عمل کیا۔

لے مدار اسے مراد ان کے ظلم و ستم کو اگیز کرنا اور پردہ واری کرنا جیسا کہ خواجہ حافظ نے فرمایا ہے: ۷۸

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است

باد و ستان تلطف باد و دشمنان مدارا

لے مصنف نے جب یہ کتاب لکھی اس وقت مسلمانوں میں خلافت راشدہ ختم ہو چکی تھی اور شخصی اور جاہلانہ حکومت کی بنیاد پڑ چکی تھی اس لئے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صوفیہ کرام کا جو طرز عمل تھا اس کو بیان کیا ہے ورنہ اسلام کے احکام کی بموجب ظالم بادشاہ کے پاس سچی بات کہنا بڑے خواب کی بات قرار دی گئی اور خلافت راشدہ کے زمانے میں ایک عاصی کو بھی طغیہ وقت کو ٹوکنے کی آزادی حاصل تھی۔

ش بشرین الحارث؛ بشر حافی کے نام سے مشہور ہیں۔ حدیث کے بڑے عالم اور زہد و تقویٰ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ابراہیم حری کا قول ہے بغداد سے ایسا متقلد اور اپنی زبان کو محفوظ رکھنے والا کوئی شخص نہیں نکلا۔

۱۳۷ ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۵۵)

آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس کے بعد پھر اس کا ذکر کیا جائے گا تو میں اس کے حدود بغداد سے نکل کر چلا جاؤں گا۔ یہ سن کر خلیفہ چپ ہو رہا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جو سلطان کے ساتھ دنیا کی عزت میں شریک ہو تو اس نے آخرت کی ذلت میں شرکت کی۔ یہ کہا گیا ہے کہ بد لوگوں کا نیک لوگوں کے نزدیک آنا دونوں کے لئے بھلا ہے لیکن نیکوں کا بُروں کے پاس جانا دونوں کے لئے فتنہ ہے۔

اگر کوئی شخص سلاطین کے پاس جانے پر مجبور ہو جائے تو اس کو چاہئے ان کو اصلاح حال کی دعوت دے، وعظ و نصیحت کرے اور مقدر و مہجران کے قابل اعتراض باتیں ان پر ظاہر کرے۔

بعض مشائخ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے سلاطین کا تقرب اس لئے حاصل کیا کہ لوگوں کی حاجت براری ہو جائے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گزشتہ انبیاء میں سے ایک نبی بادشاہ کا رکاب پکڑ کر چلتے تھے اور اس طرح اس کو مالوف و متوجہ کر کے لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ دانیال نبی تھے جو نجات نصر کے ساتھ تھے۔

ابن عطا کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص ربانی عمل سے جاہ و مرتبہ اس لئے حاصل کرے کہ اس کی وجہ سے کوئی مومن اچھی زندگی بسر کر سکے تو یہ عمل اس کے لئے اس خالص عمل سے زیادہ بہتر ہے جس میں وہ اپنے نفس کی نجات کا خواہاں ہو۔

لہ زید بن اسلم الحدادی ابو اسامہ مدینہ کے فقیہ ہیں۔ متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۹۵)

لہ عبد الوہاب بن عطاء العجی المحدث۔ ان کی کنیت ابو انصر الحفان العجی ہے بہت سے حفاظ حدیث سے روایت کی ہے۔ اکثر محدثین ان کو ثقہ مانتے ہیں۔ بہت صالح اور رقیق القلب تھے۔ ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ (مذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۹۰)

لہ خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "ویاء العارفین خیر من اخلاص المریدین" یعنی عارفوں کی زیادہ مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے کیونکہ مرشد بعض افعال (باقی اگلے صفحہ پر)

عوام کے ساتھ بڑا دُعا ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ (اُس حضرت کے صحابی) ابو مضمین کا رہا۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ پ نے فرمایا، کیا تم سے کوئی ابو مضمین کی
 طرح نہیں ہو سکتا جو صبح و شام کہتے ہیں: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ وَهَبْتَ نَفْسِیْ وَعَرْضِیْ لَكَ اللّٰهُمَّ
 اِنِّیْ قَدْ تَصَدَّقْتَ بِعَرْضِیْ عَلٰی عِبَادِكَ فَمِنْ شَتْمِیْ لَا اَشْتَمِدُ وَمِنْ ظَلَمِیْ لَا اُظْلِمُ۔“
 (اے خدا میں نے اپنے نفس اور آبرو کو تجھے ہیہ کر دیا۔ اے اللہ میں نے اپنی آبرو کو
 تیرے بندوں پر صدقہ کر دیا جو مجھ کو گالی دے گا میں اس کو گالی نہ دوں گا اور جو مجھ پر ظلم
 کرے گا میں اس پر ظلم نہ کروں گا)

حضرت ابو عبد اللہ بن خنیف کہتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور حضرت ابو عمرو الزہجی
 کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھا۔ جب گفتگو شروع ہوئی تو
 انہوں نے مجھ کو تائیداً شروع کیا اور جب بہت کچھ تائید چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ
 جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا اس سے ابن خنیف کی ذات مراد ہے؟ تو انہوں نے کہا:
 ”ہاں نہیں نے کہا ان کو شیراز میں چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ متبسم ہو گئے۔“

شاہ ابن شجاع کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص مخلوق کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے تو
 اس کا جھگڑا ان کے ساتھ طول کھینچتا ہے اور اگر وہ ان کو حق تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے
 تو وہ ان کو ان امور میں جس میں وہ منہمک ہیں، معذور رکھتا ہے اور ان کے ساتھ اپنی
 مصروفیت کو کم کر دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اپنے مریدوں کو دکھانے کے لئے کرتا ہے تاکہ وہ دیکھ کر اس کی پیروی کریں یہ بھی گویا یاد کی ایک
 شکل ہے۔ لیکن چونکہ نیت اچھی ہے اس لئے محمود ہے اور چونکہ نفع عامہ اس سے مقصود ہے اس
 شخص کی اخلاص سے اس کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(صفحہ بُرا) لے اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات اور شخصیت کو انہوں نے بہت دُور چھوڑ دیا اس لئے
 اعتراض اور طاعت کا موقع نہیں رہا۔

شاہ بن شجاع نے کہا کہ انسان کے ہر عضو کا ایک ادب ہے
اعضاء و جوارح کا ادب جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ خدا سے تعالیٰ فرماتا ہے:
 اَنْ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلًّا اُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بے شک
 کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی)

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اللہ کے ساتھ حسن ادب یہ ہے
خدا کے ساتھ حسن ادب کہ انسان کا کوئی عضو بجز رضائے الہی کے حرکت نہ کرے۔
 زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے تر رہے اور اپنے بجائیوں
زبان کا ادب کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرے اور ان کو دعا دیتا رہے اور ان کو
 دُعا و نصیحت کرے اور ایسی بات نہ کہے جو ان کو ناگوار ہو۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میرا باپ کہاں ہے
 تو آپ نے فرمایا: دوزخ میں۔ پھر اس کے چہرہ پر ناگواری کا اثر دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ
 ”نیرا باپ، میرا باپ، ابراہیم کا باپ ایک ہی جگہ ہیں۔“ نیز مرید کی غیبت نہ کرے نہ
 چغل خوری کرے اور نہ گالی دے اور نہ بیکار باتوں میں منہمک ہو اگر وہ کسی جماعت میں ہو
 تو جب تک وہ کام کی باتیں کرتے رہیں۔ ان سے گفتگو نہ کرے لیکن جب وہ بے کار
 باتیں کرنے لگیں ان کو چھوڑ دے یا خاموش ہو جائے۔ ہر جگہ و ماں کی حالت کے مطابق
 گفتگو کرے کیونکہ کہا گیا ہے کہ ہر مقام کے لئے ایک مقال ہے۔ اللہ نے زبان کو
 قلب کا ترجمان اور خیر و شر کی کنجی بنایا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنے قلب کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو طالب
 کو چاہئے کہ خاموشی اختیار کرے کیونکہ خاموشی جاہل کے لئے پردہ پوشی اور عقلمند کے لئے
 زینت ہے۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو ان کی زبان سے کافی ہونی پیداوار
 کے بل گرائے گی۔“

کان کا ادب کان کا ادب یہ ہے کہ وہ فحش اور بیہودہ باتوں اور غیبت اور چغلی خوری

اور ہر قسم کی بُری باتوں کو نہ سُنئے جیسا کہ کہا گیا ہے ۵

احب الفقی ان یفی الفحش سمعه

کان به عن کل فاحشته وقرو

دُشمندہ شخص وہ ہے جو بُرائی کو اپنے کانوں سے دُور رکھے گویا کہ ہر فحش بات کے سُننے سے اس کے کان بند ہیں) بلکہ ذکر و عظمت و حکمت کی باتوں کو سُننے اور ایسی باتیں سُننے جس سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو اور جو کوئی اس سے گفتگو کرے اس کو توجہ کے ساتھ سُنے۔

آنکھ کا ادب (بالخصوص) اپنے بھائیوں کے عیوب اور منکرات و محرمات کو آنکھ کا ادب یہ ہے کہ حرام چیزوں کو اور (عام طور پر) لوگوں اور (اللہ جانتا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”یعلّم خائنة الاعین وما تخفی الصدور“ (اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور جو سینوں میں چھپی ہوئی باتیں ہیں) کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ کی فرمانبرداری کرے گا تو اس کو اپنی موت کے پیچھے جانا پڑے گا۔ نیز کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ بند کرے گا تو اس کا ظرف کامل ہو گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص کی نظر بازی زیادہ ہوگی اس کی حسرتیں بھی زیادہ ہوں گی۔

اس کی نگاہ عبرت کے لئے اور اللہ کی قدرت و عظمت اور اس کی صنعت کی خوبصورتی پر استدلال کے لئے ہونی چاہئے اور نفسِ اتارہ کی خواہشات سے اس کو عاری ہونا چاہئے۔ حکایت ہے کہ ایک صوفی نے کسی کو شہوت کی نظر سے دیکھا۔ خواب میں اس نے ایک آدمی کو کتے ہوئے سنا کہ اللہ فرماتا ہے: ”دنیا میرا گھر ہے اور مخلوق اس میں میرے بندے اور کمینے ہیں۔ پس جو شخص بغیر کسی حق کے ان کو دیکھے گا اس نے میرے ساتھ خیانت کی۔“ وہ گھر کو ہوشیار ہو گیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کسی شخص کو بجز امانت کی حد کے نہ دیکھے گا۔

لے یعنی اس کا دیکھنا خیانت میں داخل نہ ہو اور ناجائز نہ کہا جائے۔

حضرت ابو یعقوب النخعی سے حکایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے طواف میں ایک انسان کو دیکھا جس کی ایک ہی آنکھ تھی اور وہ یہ دُعا مانگ رہا تھا: اللہم انی اعوذ بک منک "اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں" میں نے کہا یہ کیا دعا ہے اس نے کہا کہ میں کمہ میں کوئی ۵۰ سال سے مجاور ہوں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا اور وہ مجھ کو اچھا معلوم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طمانچہ میری آنکھ پر پڑا جس سے میری آنکھ زخار پر بر پڑی۔ میں نے آہ کی۔ جواب ملا ایک نظر کے لئے ایک طمانچہ اور اگر تم زیادہ کرو گے تو ہم بھی زیادہ کریں گے۔

آئی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرمایا: خبردار ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ نہ پڑے کیونکہ پہلی کی اجازت ہے دوسری کی نہیں۔

قلب کے آداب قلب کے آداب یہ ہیں کہ اچھے اور اعلیٰ احوال کی مراعات رکھی جائے اور بُرے اور خراب خیالات کو دور کیا جائے اور اللہ کی نوازشوں اور نعمتوں اور عجائبات میں غور و فکر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ویتفکرون فی خلق السموات والارض (اور وہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گھڑی بھر کا فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

قلب کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ کینہ، دھوکا، حسد، خیانت اور بدعتیہ دلی سے دل کو پاک کرے کہ یہ چیزیں قلب کی خیانتوں میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئلوا (بیشک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کی نسبت پوچھا جائے گا)۔

لے یعنی جو نگاہ بے اختیار بغیر قصد و ارادہ کے پڑ جائے وہ جائز ہے دوسری نگاہ کے وقت احتیاط کرنی چاہئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دیکھو آدمی کے جسد میں گوشت کا ایک ٹوٹھرا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوگا۔ اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جائیگا۔ اور وہ قلب ہے۔“

حضرت سری بن المقلس المستطی نے کہا ہے کہ دل تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک دل پہاڑ کی طرح ہوتا ہے کہ اس کو کوئی چیز متحرک نہیں کرتی اور ایک دل پرکاوہ کی طرح ہوتا ہے، ہر موج ہوا اس کو حرکت میں لاتی ہے اور ایک دل گھوڑے کے درخت کی طرح ہے کہ اس کی جڑ تو مضبوط ہوتی ہے لیکن ہوائیں اس کو سیدھے بائیں جھکاتی رہتی ہیں۔

باتھ کا ادب یہ ہے کہ بدل و احسان اور بھائیوں کی خدمت کرے اور ہاتھ کا ادب اپنے ہاتھوں سے معصیت کا کوئی کام نہ کرے۔

ملہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں جو دل پہاڑ کی طرح ہو وہ حکمن کا دل ہے اور حکمن وہ ہے کہ جس کو اپنی جگہ سے ہلائیں اور مصیبتیں اور نقیصہ نہیں ہلائیں۔ پرکاوہ دل وہ ہے کہ نقصان سے کبھی کمال کی طرف اور کبھی کمال سے نقصان کی طرف جاتا ہے اور جو دل درخت خرمائی کی طرح ہے وہ بھی دراصل حکمن کا دل ہے بظاہر حوادث کا اس پر اثر ہوتا ہے لیکن وہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صفت دل عوام کا ہے جس میں جادہ الطبع معتزلہ بھی داخل ہیں جن کے لئے قرآن میں ”کالحجۃ او اشد قسوة“ کے الفاظ استعمال ہوئے یعنی ان کے دل پتھر کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ شیونہ ان کو ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اس کی تجلیات کی جانب اشارہ کرتے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اپنے محمود و انکار پر قائم رہتے ہیں پرکاوہ کی مانند وہ دل ہے جس میں قابلیت ہوتی ہے لیکن بیچارہ حوادث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کبھی اس پر تجلی ہوتی ہے اور کبھی عجب پڑ جاتا ہے۔ جو دل گھوڑے کے درخت کی طرح ہے وہ متوسطین کا دل ہے اگرچہ اس کو شہات اور تمکین تو حاصل ہوتا ہے لیکن حوادث کا اثر اس پر کچھ نہ کچھ پڑتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں پہاڑ جیسا دل کفار کا ہوتا ہے اور پرکاوہ جیسا دل منافق کا ہے اور گھوڑے کے درخت جیسا دل مومن صالح کا ہوتا ہے۔

پانوں کا ادب یہ ہے کہ اللہ کی طاعت و عبادت اور اپنے بھائیوں
 پانوں کا ادب کی اصلاح میں کوشش کرے اور خدا کی زمین پر فخر و تکبر کے
 ساتھ نہ چلے اور تنہا نہ کرے کیونکہ یہ باتیں اللہ کو ناپسند ہیں۔

صحبت کے منازل (دوستی، پھر الفت (محبت)، پھر عشرت (میل جول)
 پھر صحبت پھر اخوت (بھائی چارہ)

کہا گیا ہے نفوس کی غذا معاشرت میں اور قلوب کی غذا صحبت میں ہے اور صحبت
 باطن کے اتفاق کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ منافقین کی صفت میں خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے:
 ”تخسبہم جمیعاً و قلوبہم شتى“ (تم ان کو سمجھتے ہو اکٹھے حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں)
 صحبت کے شرائط اگر صحیح ہو جائیں تو وہ اعلیٰ ترین احوال میں سے ہے۔ صحابہ کو
 دیکھو کہ وہ علم و فقہ و عبادت و زہد و توکل و رضا کے لحاظ سے بزرگ ترین ہستیاں تھیں
 اور یہ تمام باتیں بجز صحبت کے حاصل نہیں ہوئیں جو اعلیٰ ترین صفت ہے۔

آداب گفتگو یہ میری ”اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا“، شاید، عنقریب
 کیوں، کیا تم نے ایسا نہیں کیا، یا اسی قسم کی باتیں نہیں ہوتی ہیں کیونکہ یہ عوام کے
 اخلاق ہیں۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم اس شخص کو اپنی صحبت میں
 نہیں رکھتے تھے جو یہ کہے کہ میرا کام ہے۔

نیز ان کے درمیان کسی چیز کا عاریت لینا یا دینا نہیں ہو کرتا۔ بعضوں نے کہا ہے
 کہ صوفی نہ کسی کو عاریت دیتا ہے اور نہ عاریت لیتا ہے اور نہ ان کے درمیان

لے ان کی کیفیت اب اسحاق ہے۔ مشائخ صوفیہ میں سے تھے عبداللہ مغربی اور ابراہیم الخواص کی

صحبت اٹھائی تھی۔ ۸۴۳ھ میں وفات پائی۔ (المنظوم ج ۶ ص ۳۶۰)

طاہی جھگڑا ہوتا ہے اور نہ ٹھٹھول مذاق اور نہ مزاحمت، نہ مقابلہ، نہ غیبت، نہ چغلیوری، نہ بدگوئی اور نہ کسی کی منقبت اور نہ مذمت، بلکہ اُن میں سے ہر ایک بڑوں کے لئے مثل فرزند کے اور برابر والے کے لئے مثل بھائی کے، اور چھوٹے کے لئے مثل والد کے، اور استاد کے لئے مثل خادم کے ہوتا ہے۔

آداب مجلس و انتخاب صدر اُن کے آداب میں سے ہے کہ جب سے کسی کو صدر بنا لیتے ہیں تاکہ اس کی طرف رجوع کر سکیں اور اس پر اعتماد کر سکیں اور ایسا شخص ان سب میں زیادہ عقلمند اور عالی بہت اور اعلیٰ حالت رکھنے والا اور سب سے زیادہ مذہب (صوفیہ) سے واقف اور مسن ہوتا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امانت وہ شخص کرے جو کتاب اللہ کو زیادہ پڑھا ہوا ہو اور اگر سب اس میں برابر ہوں تو ان میں جو دین سے زیادہ واقف ہو اور اگر وہ اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ شریف اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس نے سب سے پہلے ہجرت کی۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ ایک تنگ چوتراہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اہل بدر سے چند لوگ آئے انہیں بیٹھنے کے لئے جگہ نہ ملی۔ آپ اُٹھ گئے اور جو لوگ اہل بدر سے نہیں تھے ان کو جگہ دینے کے لئے کہا۔ یہ بات انہیں ناگوار گزری۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **وَإِذَا قِيلَ اسْتَشْرُوا فاستشروا** یوسف الذین آمنوا منکم درجاتکم (اور جب تم کو کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جاؤ اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو ایمان لائے ہیں)

پھر جو صدر ہو وہ اخلاق کے لحاظ سے ان میں بہترین اور مجاہدہ میں بڑھا ہوا ہو اور آداب میں کامل ہو اور مشائخ کے ملنے میں سبقت رکھتا ہو۔

حکایت ہے کہ حضرت علی بن ہندؒ حضرت صوفی عبداللہ الخنیف کے پاس بغرض

لے علی بن ہند بن اسمین، کنیت ابوالحسن ہے۔ نیشاپور میں ابو عثمانؒ اور ابو الحنفیہؒ (باقی اگلے صفحہ پر)

زیارت نیشاپور سے آئے۔ جب دونوں مل کر چلے حضرت عبداللہ نے ان کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے کہا، ”یکس استحقاق کی بنا پر؟“ حضرت عبداللہ نے جواب دیا: ”آپ حضرت خجید رحمۃ اللہ علیہ سے مل چکے ہیں اور میں ان سے نہیں ملا“

شعبہ خ کی خدمت وہ شخص کرے جو سب سے زیادہ نیت میں سچا اور ہر بار اور قوی دل ہو۔ دیانت، امانت اور حفاظت میں بڑھا ہوا اور اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کے متعلق کم سے کم اتہام رکھتا ہو کیونکہ خدمت مشیخت (پیری) کا دوسرا درجہ ہے جیسا کہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں وارد ہوا ہے ”قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے“

کہا گیا ہے کہ جب تم کسی انسان کی صحبت اختیار کرو تو اس کی عقل کو اس کے دین سے زیادہ پرکھو کیونکہ دین اس کے لئے ہے اور عقل تمہارے لئے، اور ایسے شخص کی صحبت اختیار نہ کرو جس کی ہمت اور توجہ دنیا، نفس اور خواہشات میں لگی ہوئی ہے۔ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاعرض عن من تولى عن ذكرنا ولم يرد الا الحيوة الدنيا (اس شخص سے روگردانی کرو جو ہمارے ذکر سے منہ پھیر چکا ہے اور سوائے دنیوی زندگی کے کچھ نہیں چاہتا) نیز فرمایا: ولا تطع من اغفلت قلبه عن ذكرنا واتبع هواه (اور اس کا کمانہ مانو جس کے دل کو تم نے اپنی بے وفائی کر دیا وہ اپنی خواہشات کا پیرو ہو گیا)

صوفی کو لوگوں کے عیوب نہیں بیان کرنے چاہئیں کیونکہ کہا گیا ہے جس نے لوگوں کے عیوب بیان کئے اس نے اپنے عیوب کی گواہی دی کیونکہ وہ ان کا ذکر اسی مقدار سے کرتا ہے جو خود اس میں موجود ہیں۔

(ماشیہ صفحہ گزشتہ) اور سمرقند میں محمد بن فضل اور بلخ میں محمد عابد اور جرجان میں ابو علی الجوزجانی، یوسف بن الحسین اور بغداد میں عبید، روم اور منون، ابن عطاء اور حریر کی اور شام میں ابو عبد اللہ الخیلاتی اور مصر میں دقاق اور رودباری کی صحبت اٹھائی۔ حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ ۳۸۹ھ میں وفات پائی۔
(المنظوم جلد ۷ ص ۵۰)

حضرت ابو عثمانؓ حیري سے صحبت کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "اپنے مال سے اپنے بھائی کے لئے کنشائش پیدا کر اور اس کے مال میں طمع مت رکھ رہے۔ اپنے نفس سے اس کے بارے میں انصاف کر اور اس سے انصاف طلب نہ کر۔ اس کے پیچھے رہ اس کو پیچھے رکھنے کی کوشش نہ کر۔ جو کچھ اس سے تجھ کو پہنچے اس کو زیادہ سمجھ۔ جو تو اس کو دے اس کو کم سمجھ۔"

حضرت محمد داؤد الرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ذفاق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کس کی صحبت مجھ کو اختیار کرنی چاہئے؟ انہوں نے کہا: اس شخص کی جو تم سے اس طرح واقف ہو جیسا کہ خدائے تعالیٰ اور پھر تم اس سے مومن و محفوظ رہو۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ مجھ کو مصیبت میں مبتلا نہیں کیا مگر اس شخص کی صحبت نے جو میرے نزدیک قابل احترام نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ بھائیوں سے ملنے میں فراق کی وحشت کی وجہ سے انس نہیں ہوتا۔

لے ان کا نام سعید بن اسمعیل ہے۔ نیشاپور کے شیوخ اور کبار صوفیہ میں سے ہیں، وعظ بھی فرماتے تھے۔ ابوصفص نیشاپوری کی صحبت اٹھائی تھی۔ متحاب الدعوات اور بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں۔ ۷۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

(مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۲۳۲)

لے غالباً ابراہیم بن داؤد انصاری مراد ہیں جن کی کنیت ابو اسحاق الرقی تھی۔ سلمیٰ کا قول ہے کہ وہ مشائخ شام کی بزرگ ترین ہستی تھے۔ جنید کے معاصر تھے۔ ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ (المنظوم ج ۶ ص ۲۹۴) لے مطلب یہ ہے کہ تمہاری کوئی بھی بات اس سے چھپی ہوئی نہ رہے یا وجود اس کے تم کو اس سے یہ ڈر نہ ہو کہ وہ تمہارے راز فاش کر دے گا اور تم کو بدنام یا مصیبت میں مبتلا کرے گا۔

لے یعنی ہر دم مذاق کا ڈر لگا رہتا ہے۔ حضرت جامی کا قطع اس مضمون میں بہت خوب ہے۔ فرماتے ہیں:

دیں نشین حراماں بکس مکن پیوند !!!	کہ ہر کے کہ نہی دل بر آشنائی او
اگر مخالفت طبع تو باشد اوضاعش	عذاب روح شود صحبت ریائی او
وگر موافق طبع تو باشد اخلاقی	مذاق مرگ دہد شربت جدائی او

کہا گیا ہے کہ بزرگی تین چیزوں میں ہے، بٹوں کی عزت کرنا اور ہمہ سوں کی مدارات اور کم درجہ کے شخص سے نفسانیت کو دور کرنا۔

کہا گیا ہے کہ ہم نشین تین ہیں؛ ایک وہ جس سے تم استفادہ کر سکو۔ اس کو ہرگز نہ چھوڑو۔ دوسرا وہ ہے جس کو تم فائدہ پہنچا سکو اس کی عزت کرو۔ تیسرا وہ ہے جس سے تم مستفید ہو سکو اور نہ وہ تم سے فائدہ اٹھا سکے، اس سے بھاگو۔

ان کے آداب میں غور و فکر اور چہرہ دستی کو چھوڑنا ہے۔ ابوعلی رودباری نے کہا ہے کہ چہرہ دستی اس شخص پر جو تم سے اوپر ہے بے شرمی ہے اور برابر والے سے بے ادبی ہے اور جو نیچے ہے اس پر چہرہ دستی کمزوری ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جس کو ولایت حاصل ہو اور وہ اس پر فخر و تکبر کرے تو اس نے اس بات کی خبر دی کہ اس کا مرتبہ اس سے کم ہے اور جس نے تواضع کو اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا مرتبہ اس سے بڑھ ہے۔

کہا گیا ہے کہ انسان کے نفس کی خود پسندی اس کی عقل کی خرابی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُبِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا۔ (یہ آخرت کا گھران لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں برتری نہیں چاہتے اور نہ فساد کے درپے ہیں)

متادب کسی مسلمان کو حقیر سمجھنے سے ڈرے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انسان کے لئے یہ بُرائی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جو کسی مومن مرد یا عورت کو ذلیل سمجھے یا اس کے فقر او بے مالگی کی

لے ان کا نام احمد بن محمد بن قاسم ہے۔ بغداد کے رہنے والے ہیں لیکن مصر میں سکونت اختیار کی تھی۔ حدیث کے عالم تھے۔ ابراہیم حیری سے حدیث کی سند لی تھی۔ فقہیں ابو العباس ابن شریک کے شاگرد ہیں اور نحو ثعلب سے سیکھی تھی۔ تصوف کی تعلیم حنبلہ سے پائی ہے۔ ۳۲۲ھ میں مصر میں وفات پائی۔

وجہ سے اس کی حقارت کرے نوالہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تحقیر کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ اللہ نے اپنی پسند سے جس کو بندہ بنایا تم اس کو بھائی بنانے میں پس و پیش نہ کرو۔

(۳۰) ————— آداب ملاقات کے بیان میں

اگر اس کا کوئی پر بھائی یا اس کی جماعت کا کوئی شخص آئے کھانے پینے کی جو چیز بھی اس کے پاس ہو اس کے سامنے لا کر رکھے چاہے وہ تھوڑی ہی زیادہ۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انسان کے لئے یہ بات باعث ہلاکت و تباہی ہے کہ اس کے بھائیوں میں سے کوئی شخص اس کے پاس آئے اور وہ جو کچھ گھر میں ہے اس کو حقیر سمجھ کر پیش نہ کرے اور اس کے پاس آنے والوں کی ہلاکت ان میں ہے کہ جو چیز ان کے سامنے پیش کی جائے اس کو وہ حقیر سمجھیں۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملنا مکارم اخلاق سے ہے اور جس سے ملاقات کی جاتی ہے اس پر لازم ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے چاہے وہ ایک پانی کا گھونٹ ہی کیوں نہ ہو اس کو پیش کرے اگر وہ اس کو پیش نہ کرے تو اس نے وہ دن اور رات خدا کی ناراضی پر گزارا۔
دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس معزز مہمان آئے تو انہوں نے کیا کہا۔
قرآن مجید میں بتایا گیا ہے: فمالبت ان جاء بعجل حنیذ۔ فقرہ الیہم۔
قال الا تاکلون؟ (اُن کے پاس ایک بھینی ہوئی گائے کی پاڑی کا گوشت لا کر پیش کیا اور کہا کہ آپ کیوں نہیں کھاتے)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حکایت ہے اگر ان کے بھائی ان کے

پاس جا کر اذن طلب کرتے تو اگر آپ کے پاس کھانے کو کچھ ہوتا تو ان کو اندر بلاتے ورنہ خود ان کے پاس چلے آتے اور ماحضرین تکلف نہ فرماتے۔

حضرت ابن المغزی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ انفا رسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ہمارے سامنے روٹی اور مچھلی پیش کی اور کھانے کو کہا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تکلف کرنے سے منع کیا اور میں ضرورت ہمارے لئے تکلف کرتا۔

حضرت ابوالمفضل حداد جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو انہوں نے ان کی مہمان داری میں بہت تکلف کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم خراسان آؤ تو ہم بتائیں گے کہ مہمان داری کس کو کہتے ہیں۔

جب اس کے متعلق وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ تم نے میرے ساتھیوں کو مخنث بنایا اور ان کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے اور لباس اور خوشبو لائی جاتی ہے ہمارے پاس فوت (مہمان داری) ترک تکلف اور احضار ماحضر کو کہتے ہیں۔

پھر جب تمہارے پاس فقراء آئیں تو ان کی خدمت بلا تکلف کرو۔ اگر تم بھوکے رہو وہ بھی بھوکے رہیں اور اگر تم سیر ہو کر کھاؤ تو وہ بھی سیر ہو کر کھائیں تاکہ ان کا ٹھہرنا اور جانا تمہارے پاس یکساں ہو جائے۔

لہٰذا ان کا نام مستند بن ابراہیم ہے۔ قحطی کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ راویان حدیث میں سے ہیں۔ ۲۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

لہٰذا اصغمان کے ایک قریہ کے رہنے والے تھے۔ دین حق کی تلاش میں شام وغنیہ ممالک پھرتے پھرتے مدینہ منورہ آئے اور یہاں آنے پر علامات نبوت جو عیسائی عالموں سے سن رکھے تھے دیکھ کر ایمان لائے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر ۲۵۰ برس کی تھی۔

حضرت یوسف بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ذوالنون مصری سے پوچھا کہ
میں کس کی صحبت اختیار کروں تو انہوں نے کہا ایسے شخص کی جو مرے ہو کر بھی تمہاری عبادت
کرسے اور تم نے کوئی گناہ کیا ہو تو وہ تمہارے لئے توبہ کرے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا

اذا مرضنا اتینکم نعودکم

وتذنبون فئاتیکم فنعتمد

دجب ہم مریض ہوتے ہیں و باوجود اس کے تمہاری عبادت کرتے ہیں
اور تم گناہ کرتے ہو تو تمہارے پاس آکر معذرت کرتے ہیں۔
وہ سناحتی نہیں ہے جس کو تم ساتھ چلنے کو کہو اور وہ پوچھے کہاں تک؟
اور بدربانی سے بچے کیونکہ اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے: "قد بدت ابغضاء من افواہم وما تخفی صدورہم اکبر"۔
(ان کے منہ سے دشمنی ظاہر ہوگئی اور جو ان کے دلوں میں چھپی ہوئی ہے وہ اس سے
بڑھ کر ہے)

ان میں سے بعض نے کہا ہے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک قسم مثل غذا
کے ہے جس سے استغناء نہیں ہو سکتا۔ ایک قسم مثل دوا کے ہے جس کی جانب
بعض وقت ضرورت ہوتی ہے اور ایک قسم مثل بیماری کے ہے جس سے بچنا اور
دور رہنا ضروری ہے۔

نہر لوگوں کی صحبت سے بچنا لازم ہے۔ کہا گیا ہے کہ اشرار کی صحبت میں

لے ابو یعقوب الرازی ذوالنون مصری کی صحبت اٹھائی ہے اور احمد بن حنبل سے حدیث کی روایت
کی ہے اور ان سے ابو بکر انجارس نے روایت کی۔ ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔

لے ذوالنون مصری بن ابراہیم، مصر کے ایک قریہ میں پیدا ہوئے لیکن مصر میں سکونت اختیار کی۔
آپ کے والد ابراہیم اسحاق بن محمد الانصاری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۵ ذیقعدہ ۲۴۲ھ
میں بمقام حیرہ وفات پائی اور مصر میں تدفین ہوئی۔

خطرہ ہے اور جس نے باوجود اس کے ان کے ساتھ میل جول رکھا تو سمجھو وہ بہت مغرور ہے۔
اس شخص کی مثال دریا میں سفر کرنے والے کی سی ہے کہ اس کا بدن صحیح سلامت رہے
تو رہے لیکن اس کا دل خوف و خطر سے نہیں بچ سکتا۔

بڑی سہولت اور نیک بختی کی بات ہے کہ انسان بد معاشوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے
کہا گیا ہے کہ جو شخص برے ساتھی کے ساتھ رہے تو وہ برائی سے نہیں بچ سکتا ہے
اور جو برے مقام میں داخل ہو تو متہم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے ساتھیوں سے بچنا جاتا ہے اور اپنے ملنے جلنے والوں
کے جیسا سمجھا جاتا ہے۔ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ چاند
لوگوں کے پاس ٹھہرے اور ان سے ارشاد فرمایا: ”کیا میں تم کو بتاؤں کہ تم میں کون اچھا
اور کون بُرا ہے تم میں اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید کی جائے اور اس کی برائی سے
لوگ محفوظ رہیں۔ اور بُرا وہ ہے جس سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور اس کی برائی سے
لوگ امن میں نہ رہیں۔“

(۳۱)

آداب سفر کے بیان میں

خداے تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله“
(وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی)۔
اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:
”وہ لوگ جو سفر کرنے میں ہیں اور اللہ کے فضل کو چاہتے ہیں۔ نیز اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: ”سفر کرو گے تو صحت مند رہو گے اور غنیمت (فائدہ) حاصل کرو گے۔ آپ نے

لے مغرور اس لئے کہا گیا کہ اس کو اپنی سلامتی چھوٹے اور یہ سمجھا ہے کہ اس پر صحبت کا اثر نہ ہوگا۔

لے یہ جملہ قرآن سے ماخوذ ہے۔ مفسرین نے فضل کی تعریف منافع تجارت سے کی ہے۔

لے حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ سفر سے مراد خودی سے سترنا کہ معرفت کی صحت حاصل ہو اور تجلیات اور
مکاشفات کا فائدہ بطور مال غنیمت کے مل سکے۔ اس کے بعد لکھا گیا ہے کہ یہ سفر مبدی کے لئے بجز منی مجاہدہ
نفس ہو سکتا ہے اور جمادی سیل اللہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

فرمایا کہ مسافر شہید ہے اور اس کے لئے قبر کی وسعت اتنی ہی ہوگی جتنی کہ اس کے اہل و عیال سے دوری ہے۔

حضرت ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : مسافر کے لئے تین چیزیں فروری ہیں تو شہد کی تدبیر اور راستہ کا تعین ترک کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ اس کا محافظ ہے۔
سفر میں افضل سفر جہاد ہے۔ پھر حج، پھر زیارت مرقہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وفات میں ہیں حاجی، غازی اور مغرم (عمہ کرنے والا) نیز آپ نے فرمایا : ”سفر کے لئے کجاوہ بجز تین مقامات کے کسی مقام کے لئے نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مدینہ منورہ جہاں آپ دفن ہیں)“

پھر اس کے بعد سفر طلب العلم کے لئے ہو۔ پھر زیارت مشائخ اور برادران دینی کیلئے۔
اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العالمین سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا :
”میری محبت، مجھ سے محبت کرنے والوں اور میری زیارت کرنے والوں کے لئے واجب ہو گئی۔“

حدیث میں ابو زر بن حبیش سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا : ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : زیارت کرو اللہ کے لئے، کیونکہ جس نے اللہ کے لئے زیارت کی

لے یہ چیزیں عام مسافر کے لئے نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ خواجہ صاحب نے لکھا ہے عارف کاس کے لئے ہیں ورنہ بظاہر شریعت کا یہ حکم ہے کہ بغیر زاد و راہ سفر نہ کیا جائے کہ (لا تلقوا بائدا یکم الی التھلکۃ۔ لا یكلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ و تزودوا فان خیر الذاد التقویٰ) راستہ کا تعین نہ کرنے میں مصیحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی قسم کی پابندی اپنے اوپر عائد نہ کرے بلکہ جہاں کہیں اس کا دل لگے اور نظر قدرت اور مصنوعات سے صانع کا عرفان حاصل ہو وہاں ٹھہرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔
خواجہ صاحب نے بھی یہی منہ تحریر فرماتے ہیں۔

لکھ ان کا نام عبداللہ بن رزیس ہے۔ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ (لسان البیان ج ۲ ص ۷۸۵)

اس کی مشابہت کے لئے ترنبرار فرشتے یہ کہتے ہوئے بڑھیں گے کہ اے اللہ اس کے مقصد کو پورا فرما جیسا کہ اس نے تیرے لئے تیرا قصد کیا ہے اور ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ خوش ہو اور تمہارا قبائلی شب بہت ہو اور تمہاری جگہ جنت میں ہے۔

اس کے بعد سفرِ ظلم کو ڈوب کر گرنے اور اپنی قوم دارن (استحلال) کو پورا کرنے کے لئے یا پھر آثار کو ڈھونڈنے اور عبرت حاصل کرنے اور یا صفت نفس کے لئے ہو اور (اس میں وہ) شہرت سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

محض تفریح، بڑائی اور خود نمائی اور شہر میں گھومنے کے لئے سفر نہ کیا جائے۔ حضرت ابوترابؓ نمیشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرید کے لئے خواہشاتِ نفس کی خاطر سفر کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مضرت رساں نہیں۔ مریدوں میں اگر کوئی خرابی پیدا ہوئی ہے تو وہ بیکار سفروں ہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تملکونوا کالذین خرجوا من
دیارہم بطواً و سیاہ الناس۔
تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو اپنے
شہروں سے ازاں فخر اور لوگوں کے
دکھاوے کے لئے نکلے ہیں۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر ایک زمانہ آئے گا جس میں میری امت کے مالدار، نزہت (تفریح) کے لئے حج کریں گے اور متوسط لوگ۔ تجارت کے لئے اور ان کے اُمراء، ربا کے لئے اور ان کے فقراء سوال کے لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں وفد (حج کو آنے والے) بہت ہیں اور حجاج (اصلی حج کرنے والے) کم ہیں۔

لے یعنی سفر کا مقصد ہونا چاہئے۔ بے مقصد شہروں میں گھومنا تعبیح اوقات ہے۔

لکہ ان کا نام عسکر بن الحصین ہے۔ ابو عبد اللہ الجلاء کہتے ہیں کہ میں دوسو شیوخ سے ملا ہوں لیکن ان میں سے چار شیوخ کے مانند کسی کو نہیں پایا ان میں ابوترابؓ نمیشی صفت اترل میں ہیں۔ وفات صحرا میں ۲۴۵ھ میں ہوئی۔

والدین اور استاد کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر سفر نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں وہ عاق (نافرمان) ہوگا اور سفر کی برکتوں سے محروم رہے گا۔

اگر وہ کسی جماعت کے ساتھ ہو تو اس میں سے سب سے کمزور کی چال چلے اور جب ساتھی ٹھہرے تو ٹھہر جائے اور جہاں تک ممکن ہو نماز کے اوقات میں تاخیر نہ کرے اور بجائے سواری کے پیدل چلنے کو ترجیح دے مگر یہ کہ اس کی ضرورت ہو کیونکہ اس کا سفر ریاضت اور زیادتی (فوائد) کے لئے ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار ہو کر چلنے والے کے لئے اس کی سواری کے ہر قدم پر سونکیاں حرم کی نیکیوں میں سے ہیں۔ کسی نے پوچھا: حرم کی نیکیاں کیا ہیں تو آپ نے فرمایا: ایک نیکی سات نیکیوں کے برابر ہے۔

روایت ہے کہ ملائکہ پیدل چلنے والوں سے مکہ معظمہ کے راستے میں معافتہ کرتے ہیں اور سواری پر چلنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور محل میں بیٹھ کر آنے والوں کو دور سے سلام کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی جماعت میں ہو تو ان کی خدمت گزاری میں حتی الامکان کوشش صرف کرنی اور اپنے اخراجات کا بار ان پر نہ ڈالنا چاہئے۔

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا حدیث افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں کسی کا اپنے ساتھیوں کی خدمت کرنا۔

صوفیہ کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی شہر میں داخل ہو

لے حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر جمع ہمت اور فراغ خاطر اور حضور قلب مطلوب ہو تو سوار ہو کر سفر کرنا بہتر ہے۔

علامہ علامہ مشہور عوب کے سنی حاتم کے لڑکے ہیں۔ ۷۰ھ میں ایمان لائے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ ۱۸۰ سال کی عمر پائی۔ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

اور وہاں کوئی شیخ ہو تو اس کی زیارت کرے اور اگر نہ ہو تو فقرہ کی جگہ آئے اور اگر وہاں ایسے کئی مقامات ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ قدیم اور جہاں فقراء کی جماعت زیادہ ہو اور احترام کی جگہ ہو اس کا قصد کرے۔ موضع طہارت کو تلاش کرے نیز جہاں آبِ رواں ہو اس جگہ اترنے کو دوسرے مقامات پر ترجیح دے۔

اور اگر وہاں ایسا کوئی مقام نہ ہو اور نہ ایسی جماعت ہو تو ایسے لوگوں کے پاس اترے جو اس گروہ سے زیادہ محبت رکھتے ہوں اور ان کو لوگوں سے اعتقاد اور میلان خاطر ہو۔

اور اگر وہ صوفیہ کے کسی دائرہ میں آئے تو کسی گوشہ میں جگہ اختیار کرے اور اپنے تعین کو اتارے اور بائیں پر کا جوتا پہلے نکالے اور پھرتے وقت داہنے پانوں سے ابتدا کرے۔ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے سیدھا پانوں ڈالے اور جب نکالے تو بائیں پانوں سے ابتدا کرے۔ پھر موضع طہارت کا ارادہ کرے اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اگر وہاں کوئی شیخ ہو تو اس کے پاس جائے اور اس سے ملے اور ان کے سر کو بوسہ دے اگر وہ کم عمر ہو تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دے۔

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب میرے متعلق توبہ کی آیت نازل ہوئی تو میں اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن خنیف سے حکایت ہے کہ انہوں نے حضرت

لے یہ ان نین صحابیوں میں سے ایک ہیں جو جنگ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی نسبت پر آیت "وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا" نازل ہوئی تھی ان کے اور حضرت زبیرؓ کے درمیان اختلاف تھا۔
نے مرافعات (بجائی چارہ) کر دیا تھا یہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو ہمت عقبہ میں شریک تھے۔
شاعر بھی تھے اور شریکین کی جو کا جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانہ شہادت میں فوت ہوئے۔

حسین بن منصور کے ہاتھ کو جب کہ وہ قید میں تھے بوسہ دیا اس پر انہوں نے کہا کہ اگر یہ ہاتھ ہمارا ہوتا تو ہم تم کو منع کرتے۔ لیکن یہ ہاتھ جس کو تم آج بوسہ دے رہے ہو کل قطع کیا جائے گا۔

اس کے بعد صوفی کو چاہئے کہ وہ شیخ کے پاس گھڑی بھر بیٹھے اور اس سے کوئی کلام نہ کرے۔ اگر وہ کچھ پوچھے تو اس کے سوال کا جواب دے اور کسی کا سلام نہ پہنچائے اور کسی شخص کا ذکر نہ کرے۔ بجز اس کے مماثل حال اور سن و سال میں برابر ہو تو یہ جائز ہوگا۔ پھر وہ اپنے مقام پر واپس آجائے جو لوگ مقیم ہیں ان پر لازم ہے کہ مسافر کو سلام کریں کیونکہ آنے والے کا حق ہے کہ اس کی زیارت کی جائے مگر یہ کہ وہ مکہ معظمہ میں ہو ایسی صورت میں وہاں کے مجاورین کی زیارت حرمت بیت الحرام کے لحاظ سے اُن پر لازم ہوگی۔

پھر اس کے لئے محضر بغیر کسی تکلف کے لایا جائے کیونکہ کہا گیا ہے کہ مہمان کے ساتھ ادب یہ ہے کہ اس کو پہلے سلام کیا جائے، پھر اس کی تعظیم و تکریم کی جائے پھر کھانے سے اس کی تواضع کی جائے، پھر اس سے گفتگو شروع کی جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے محترم مہمانوں کے ساتھ کیا تھا۔

اذا دخلوا علیہ فقالوا سلاما جب وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے
فمالبت ان جاء لبعجل حنیذ۔ تو انہوں نے کہا کہ تم پر سلام ہو پھر فوراً
اٹھے اور مجھے ہوئے گو سالہ کا گوشت لائے۔

صوفی کو چاہئے کہ وہ شیخ سے دنیا اور اہل دنیا کے حالات نہ پوچھے کیونکہ یہ اس کیلئے

لے یہ وہ منصور علاج ہیں جن کو انا حق کہنے کی بنا پر علما کے فتویٰ کے مطابق سُنی پر چڑھایا گیا تھا۔ یہ

۳۵۹ھ کا واقعہ ہے۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۳۱۴)

لے خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: مسافرین کی عادت تھی کہ وہ مکہ کا، مدینہ کا، باباغوری، باباجالی، باباجر، سیدی احمد کا سلام پہنچا کرتے تھے۔ اس قسم کی یہودہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

بیکار باتیں ہیں بلکہ احوالِ مشایخ اور برادرانِ دینی کے متعلق دریافت کرے۔
مسافر کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنے ساتھ چھگل یا کوزہ طہارت کے لئے رکھے
اور چھگل کا رکھنا اولیٰ ہے۔

بعض مشایخ مسافر سے جب مصافحہ کرتے تو اس کے ہاتھ اور انگلیوں میں چھگل
کا اثر تلاش کرتے۔ اگر اس کا اثر نہ تھا تو اس کے ساتھ اچھے طریقہ سے پیش آنے ورنہ وہ
ان کی نظروں سے گر جاتا اور وہ اس کو رد کر دیتے۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ اس کے ساتھ چھگل
یا کوزہ نہیں ہے تو جان لو کہ اس نے نماز چھوڑ دی ہے اور برہنہ ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔
مسافر کے لئے سوئی، ہانگہ، قینچی، استرہ اور اسی قسم کی چیزیں رکھنا مستحب ہے
کیونکہ ان چیزوں سے وہ ادائی فرائع میں مدد لے سکتا ہے۔

جب وہ سفر کا ارادہ کرے تو آداب یہ ہیں کہ وہ اپنے برادرانِ دینی کے پاس
جائے اور اپنے روانہ ہونے کی ان کو اطلاع دے اور ان سے رخصت ہو۔

جو لوگ اس کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کی
مشالعت کریں۔ مشایخ کے ایسے ہی آداب تھے۔

مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے اوراد کو ترک نہ کرے، خاص کر ان کو جو واجبات تھے۔

(۳۲) سابقہ فصل کا تتمہ

حضرت ابو یعقوب سوسی کہتے ہیں: مسافر چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے اگر یہ
چیزیں مہجولہ تو اس کو سفر نہیں کرنا چاہئے:

۱۔ یہ سب باتیں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے تھیں۔ اس زمانہ میں اس کے نعمِ ابدل چیزیں پیدا ہو گئیں
لہٰذا ان کا نام دراصل ابو یعقوب الشرطی المصری السوسی ہے۔ عالمِ حدیث تھے۔ ابو تراب
نخشبہ کی صحبت اٹھائی تھی۔ ۱۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

- ۱۔ ایسے علم کا جو اس کی نگہبانی کرے۔
 - ۲۔ ایسی پرہیزگاری کا جو اس کو (براہیوں) روکے۔
 - ۳۔ ایسے اخلاق کا جو اس کو بچائے۔
 - ۴۔ ایسے یقین کا جو اس کو ثابِت قدم رکھے۔
- دویم سے آداب مسافر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی بہت پر اس کے قدم سبقت نہ کریں اور جہاں اس کا دل ٹھہرنا چاہے وہیں اس کی منزل ہو۔

(۳۳)

آداب لباس میں

خداے تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتِبْيَاكُ فَطْمَرُ۔ اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اللہ ہر کم درجہ کا لباس پہننے والے کو جس کو اس کی پروا نہ ہو کہ اس نے کیا پہنا دوست رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے استبین کو اگر وہ انگلیوں سے بڑھ جاتی کتر دیتے تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سچے فقیر کو ہر لباس جو وہ پہنے زیب دیتا ہے اور اس میں ملاحضت اور مہابت پائی جائے گی۔

ان کے آداب میں سے ہے کہ وہ جس وقت جو لباس میسر آئے بغیر تکلیف اور اپنی پسند کے پہنتے ہیں اور اس بات پر قناعت کرتے ہیں کہ ادائی فرائض کے لئے برہنگی نہ رہے اور سردی اور گرمی سے بچیں اور یہی چیز ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے مستثنیٰ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ دنیا میں سے نہیں ہے۔ لوگ کثرت لباس سے ترقہ حاصل کرتے اور ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین آدمی جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہوں گے، ایک وہ جس نے اپنے کپڑوں کو دھویا اور اس کے لئے سواپے

اس کپڑے کے لئے دوسرا کپڑا پہننے کے لئے نہ ہو۔
ایک وہ جو پینے کے لئے کچھ مانگے اور اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ کون سی چیز چاہتے ہو۔

ایک وہ جس کے پٹھے پر دو ہنڈیاں نہ ہوں۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ایک سے دو نہیں تھی۔"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاکی ایمان سے ہے۔ آپ نے بعض آنے والوں کے میلے کپڑے دیکھے تو فرمایا کہ ان کو پانی نہیں مل سکا جس سے وہ اپنے کپڑے دھوتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مانا کہ فقر اللہ کی طرف سے ہے لیکن میل کچل کپڑوں پر کیوں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ میل کو ناپسند کرتا ہے۔
صوفیہ شہرت کے لئے کپڑے پہننے کو مکروہ جانتے تھے اور مشایخ کے کپڑوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک گھر میں تشریف لے گئے تمام گھر بھر گیا۔ اتنے میں حضرت جریر بن عبد اللہ بھی آئے۔ جب مکہ نہ ملی تو وہ گھر کے باہر بیٹھ گئے اس کو آپ نے دیکھ لیا اور اپنا ایک کپڑا لپیٹ کر ان کی طرف پھینک دیا اور کہا کہ اس پر بیٹھو۔ انہوں نے اس کپڑے کو لے کر آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔

لے سر دیارم یا کسی قسم کا شربت۔ حضرت خواجہ صاحب نے ایک دوسری حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اللہ نے آدمی کو سب ضروری چیزیں دے دی ہیں۔ کپڑا جس سے وہ اپنا شرٹ ڈھانک سکتا ہے، دوٹی جس سے اپنا پیٹ بھر سکتا ہے اور گھر پرندہ کے گھونسلہ کی طرح۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ تمک پر حساب ہوگا، تو آپ نے فرمایا: "ہاں ہوگا۔"

بعض صوفیہ نے دو کپڑوں پر قناعت کرنے کو پسند کیا ہے جیسا کہ احرام باندھنے والے کی ہیئت ہوتی ہے لیکن جمہور صوفیہ نے اس کو مکروہ سمجھا بجز اس کے کہ وہ مکہ معظمہ میں بحالت احرام ہو کیونکہ اس میں شہرت اور اپنے ساتھیوں پر اظہار تفریق ہے۔
 مگر بیان دار کرتے پہننے کو مکروہ سمجھا گیا ہے لیکن مشایخ کے لئے وہ جائز ہے اور وہ بمنزلہ طیلسان اور متجادہ کے ہے۔

کلاہ مشایخ کے لئے اور ٹوپیاں مریدین کے لئے ہیں اور ایک کپڑے پر قناعت کرنا مستحب ہے۔

حریری سے مروی ہے کہ بغداد میں ایک فقیر رہتا تھا۔ موسم گرما اور سرما میں اس کے بدن پر ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بیان کیا کہ میں بہت سے کپڑے رکھنے کا شائق تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا گویا میں جنت میں آیا ہوں اور میرے دوستوں کی ایک جماعت دسترخوان پر ہے۔ میں نے بھی ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو فرشتے میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گئے اور کہا کہ یہ لوگ ایک کپڑا رکھنے والے ہیں اور تمہارے پاس تو کئی کپڑے ہیں۔ میں بیدار ہوا اور طے کر لیا کہ آئندہ سوائے ایک کپڑے کے نہیں پہنوں گا یہاں تک کہ ان سے جا ملوں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ پیوند لگے کپڑے اور چھالیں بہت زیادہ ہو گئی ہیں اور لوگوں نے اس کو ایک مذہب بنا لیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اب سلوک خوش آئند ہو جائے گا تم کو دوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اور سمجھیں گے) تم بھی ان ہی میں سے ہو) لیکن درحقیقت تم اللہ کے ساتھ ہوں گے۔

حضرت ابو حاتم عطا جب کبھی پیوند پوشوں کو دیکھتے تو فرماتے: اے میرے بزرگو! تم نے اپنے جھنڈے بلند کر دیئے اور ڈھول پیٹے۔ کاش مجھ کو معلوم ہوتا کہ

لے طیلسان اور سجادہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو علماء اور مشائخین استعمال کرتے ہیں۔

قیامت کے دن تم کن لوگوں میں شمار کئے جاؤ گے“
 علی بن بندہ نے کہا ہے ایسا کپڑا جس میں نماز جائز ہو مجھ کو یہ ناپسند ہے کہ میں
 اس کو بدل کر اور اس سے بہتر کپڑا پہن کر لوگوں سے ملوں۔
 حضرت ابو الحنفیہؒ دیکھتے ہیں کہ اگر تم فقیہ کی روشنی (چمک دمک) اس کے
 کپڑوں میں دیکھو تو اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھو۔

(۳۴) کھانے کے آداب میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا - کھاؤ پو پیو لیکن اسراف نہ کرو۔

فَكَلُوا مِنْهَا وَاطْعَمُوا اِلٰیٰئِلس - اس قربانی میں سے کھاؤ اور فقیر

الفقیر - مصیبت زدہ کو کھلاؤ۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ادب سکھایا ہے کہ فقرا کو وہی کھلانا چاہئے
 جو ہم خود کھانے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اگر تم سے کوئی کھانا شریع
 کرے تو بسم اللہ کے اور پہلے کھنا بھول جائے تو جب کبھی یاد آجائے اول سے آخر
 تک کبھی بھی کہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کٹورہ کی طرف اشارہ کر کے
 اس کے اطراف سے کھاؤ بیچ میں سے نہ کھاؤ کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔

صوفیہ کے آداب میں ہے کہ وہ رزق میں اہتمام نہیں کرتے اور خود کو اس کی طلب
 میں زیادہ مشغول نہیں رکھتے اور نہ اس کو جمع کرتے اور نہ ذخیرہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کَلِمَاتٍ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا - اور بہت سے جانور اپنے رزق کو فراہم

اللہ یرزقہا وایاکم - نہیں کر سکتے اللہ ان کو اور ہم کو رزق

دیتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجعت یہ ثابت ہے کہ وہ کل کے لئے کوئی چیز

ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے اور کھانے کا ذکر زیادہ نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ حرص (نامادیدہ پن) پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ریدم سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں برس سے میرے دل میں کبھی کھانے کا خیال نہیں آیا جب تک کہ لوگوں نے خود لاکر نہ دیا ہو۔ صوفی کو کھانے سے مقصود بھوک دور کرنا اور نفس کو اس کا حق دینا ہے نہ کہ حظ نفسانی کو پورا کرنا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم پر تمہارے نفس کا حق ہے۔

بعض مشایخ سے پوچھا گیا کہ کھانا کس طرح کھانا چاہئے تو انہوں نے کہا جس طرح بیمار دوا کھاتا ہے اور اس سے شفا کی امید رکھتا ہے۔ اور اپنے نفس کو حرص اور لالچ سے منع کرتا ہے کیونکہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی طرف آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر بُرا نہیں اور اگر اس کو پُر کیے بغیر چارہ نہ ہو تو ثلث کھانے کے لئے اور ثلث پینے کے لئے اور ثلث سانس کے لئے رکھے اور کسی کھانے کا عیب نہ کرے اور نہ تعریف۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا۔ اگر اشتہا ہوتی تو آپ تنا دل فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ آپ نے فرمایا اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے گلاؤ اور کھا کر نہ سو جاؤ اس سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی تو وہی لوگوں کو کیا ہوا ہے جو وہ شہوتوں کی طرف پکلتے ہیں حالانکہ میں نے شہوت اپنی ضعیف مخلوق کے لیے پیدا کی ہے۔ جو دل شہوتوں سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کی عقبتیں مجھ سے مجرب ہو گئی ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت بشر بن حارث کو بازار میں دیکھ کر لوگوں نے پوچھا: آپ

لے لیمن دوا پر جس طرح حرص نہیں کی جاتی اسی طرح کھانے میں حرص نہیں کرنی چاہئے۔

ادھر انہوں نے کہا کہ میرا نفس کئی سال سے گلڑی کی خواہش کرتا تھا اور میں اس کو منع کرتا تھا اور اب وہ صرف دیکھنے پر رنّا مند ہو گیا ہے تو میں نے اس کی خواہش پوری کی ہے۔
 ان کے کھانے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا اور نہ وہ اس میں کوئی تکلف کرتے تھے اور نہ زیادہ مقدار کے بڑے کھانے کو کم مگر اچھے کھانے پر ترجیح دیتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”فَلْيَنْظُرِ إِنَّمَا آتَاكَ طَعَامًا“ (پس دیکھو کون سا کھانا اچھا ہے) اور ایک دوسرے کو قہر نہیں دیتے اور نہ ایک دوسرے کو کھاؤ کہتے ہیں کیونکہ سب اس میں برابر ہیں ہجرِ مشائخین کے کہ وہ اپنے سے کمزور بچے کے لوگوں کو اس طرح کہہ سکتے ہیں اور وہ بھی خوش طبعی کے طور پر اور نیکی پر ترغیب دینے کے لئے۔

عام لوگوں کے آداب اس بارے میں یہ ہیں کہ وہ حاضرین پر کھانا پیش کریں اور ان سے کھانے کی استدعا کریں اور وہ کھانا کھائیں جس کی اصل حقیقت سے وہ واقف ہوں اور ظالم اور بدکار لوگوں کے کھانے سے پرہیز کریں اگرچہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو۔
 عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فاسق لوگوں کا کھانا کھانے سے منع کیا اور عورتوں پر بار ڈالنے اور ان کا کھانا کھانے سے بھی منع فرمائی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد بات کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے اس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ جو کس کا طریقہ ہے۔

کھانے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ لباس کو سمیٹ کر بیٹھا جائے اور بائیں

لے یعنی حرام کی کمانی سے نہ ہو۔

لے مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی حق بھی ہو تو اس سے انکار کرنا اولیٰ ہے۔

تھ صحابی میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اہل مبعوہ کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ بصرہ کے فاضل بھی رہے۔ ۵۲ھ میں وفات پائی۔

پانوں پر بیٹھا جائے اور کھانا شروع کرنے کے وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور تین انگلیوں سے اور جو اس سے متصل ہوں ان سے کھانا کھایا جائے۔ چھوٹا لقمہ لیا جائے اور چبا کر کھایا جائے اور (کھانا ختم کر کے) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے۔ جائز سے روایت ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فرمایا کہ انگلیوں کو اور کٹورہ کو چاٹ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نہیں جان سکتا کہ کس کھانے میں برکت ہے۔ اپنے ساتھی کے لقمہ کی طرف نظر نہیں ڈالنی چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کے لقمہ پر نظر نہ دوڑائے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کہے:

الحمد لله الذي جعل رزقنا
 اكثر من اقواتنا۔
 اس خدا کی تعریف ہے جس نے ہمارے
 رزق کو ہماری قوت لایوت سے
 زیادہ بنایا۔

یہ کچھ اچھی بات نہیں کہ اتھ کھانے سے بھر لیا جائے اور اس کو آلودہ کر لیا جائے۔ بعض مشایخ نے کہا ہے برادران دینی کے ساتھ کھانا خوش طبعی کے ساتھ ہلچا ہے اور انجیبوں کے ساتھ ادب کے ساتھ اور فقراء کے ساتھ ایثار سے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برادران دینی کے ساتھ کھانا رشتہ رضاء کو پیدا کرتا ہے اس لیے یہ دیکھو کہ تم کن لوگوں کے ساتھ کھاتے ہو۔ صوفیہ مل کر کھانے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابو جابر بن عبد اللہ الخزیم فی السلی صحابی ہیں۔ اس حضرت صلعم سے اور متعدد صحابہ سے روایت کی ہے سوائے برواند کے تمام غزوات میں اس حضرت کے ساتھ شریک رہے۔ ۳۷ھ میں بحر ۴۷ سال قوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲)

لے قوت۔ اس قدر کھانا جس سے انسان زندہ رہ سکے۔

لے مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا دودھ پینے سے جس طرح رضاعی رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ساتھ کھانے سے بھی باہم تعلق مثل رشتہ رضاء کا پیدا ہوتا ہے۔

”بہترین کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں“ نیز روایت ہے کہ ”بھائیوں کے ساتھ کھانا شفا ہے“ آپ نے فرمایا: ”بدترین انسان وہ ہے جو تنہا کھائے۔ اپنے غلام کو مارے اور اپنے عطیہ کو روکے۔“

اور جب ایک جماعت کے ساتھ کھائے تو کھانے سے ہاتھ اس وقت تک نہ روکے جب تک کہ دوسرے ساتھی بھی کھانا نہ ختم کر لیں۔ خاص کر اس وقت جب کہ کوئی پیش رو کھا رہا ہو۔

اں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آپ جماعت کے ساتھ کھانے تھے تو سب سے اخیر میں کھانا ختم کرتے تھے۔

بعض مشایخ سے پوچھا گیا کہ کون سا کھانا بے مغرت ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا ”تحت الامر کھائے نہ کہ خواہش نفسانی کے لئے۔ حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تینیل برس سے میں نے کوئی چیز اپنی خواہش سے نہیں کھائی۔“

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ڈکار لی۔ آپ نے فرمایا کہ ڈکار لینے سے باز رہو کیونکہ دنیا میں جو شخص زیادہ سیر ہو کر کھائے گا قیامت کے دن اسی قدر بھوکا ہوگا۔

حضرت حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدم پر مصیبت کھانے کی وجہ سے آئی اور وہی مصیبت تم لوگوں کے لئے قیامت تک ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ اگر میں رات کے کھانے میں ایک قہر ترک کروں تو میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے۔

لے سعدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اس شعر میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے ۔

خوردہ ہماں بہ کہ نہ تنہا خوری

واسے براں خوردہ کہ تنہا خوری

لے اللہ نے حکم دیا ہے کہ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو اور اں حضرت نے فرمایا ہے کہ تمہارے نفس کا بھی حق

حضرت یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ اگر بھوک بازار میں فروخت ہوتی تو آخرت کے طلبگار اس کے سوا اور کوئی چیز نہ خریدتے۔

انہوں نے کہا کہ اگر تم اپنے نفس کے پاس ملاؤ، مقررین اور انبیاء، مرسلین کی سفارش لاؤ کہ وہ ترک شہوت کرے تو وہ ان تمام کی سفارش کو رد کر دے گا۔ لیکن اگر تم بھوک کو اپنا وسیلہ بناؤ تو تمہارا کہا مانے گا اور مطیع و فرماں بردار بن جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو بیٹھے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا۔ مزاج مبارک بخیر۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ میں رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ نہ روقیامت کی شدت بھوک کے تو تکلیف نہ دے گی۔ اگر وہ خدا کے لئے اس کو اختیار کرے آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ جو شخص اپنے نفس میں نشاط پائے تو اس کو بھوک اور پیاس سے فوج کر دے۔

کھانا آجانے کے بعد انتظار مکروہ ہے۔ کہا گیا کہ نیک لوگوں کے قلوب انتظار کو برداشت نہیں کر سکتے۔ نیز کھانے میں مشغول ہو کر وقت ضائع کرنا بھی مکروہ ہے۔ اکثر صوفیہ اس بات کو مکروہ جانتے ہیں کہ جو شخص ان کی خدمت کر رہا ہو اپنے سامنے لائے ہوئے کھانے سے نعمہ دیا جائے خاص کر جب کہ مہمان موجود ہو کیونکہ جو کچھ اس کے سامنے لایا گیا ہے اس کا تصرف اس کو بجز کھانے کے جائز نہیں ہے۔

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ مہمان جو کچھ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اس کا مالک ہو گیا یا نہیں؟ بعضوں نے کہا کہ مالک ہو گا جب کہ سامنے کھانا حاضر کیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ کھا لینے کے بعد مالک ہو گا۔ بعضوں نے کہا کہ منہ میں

لے ابوبکر ذکریا الرازی ابو اسحاق کے نام سے مشہور ہیں۔ بلادخراسان میں چند دن رہے۔ انکے بعد نیشاپور چلے گئے شیراز بھی گئے تھے ان کے مواعظ کی وجہ سے لوگ ان کے بہت فریفتہ ہو گئے تھے۔ زبان میں ان کا تاثیر تھی کہ جب چاہتے سامعین کو رلا دیتے اور جب چاہتے ہنسا دیتے تھے۔ ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

ڈالنے کے بعد۔ بعضوں نے کہا کہ پوری طرح کھانے کے بعد۔
حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقراء پر کھانے کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے
کیونکہ وہ اِثثار کے ساتھ کھاتے ہیں۔

بعض مشایخ کا کہنا ہے کہ میزبان پر تین چیزیں واجب ہیں یہ کہ مہمان کو حلال چیز
کھلائے اور اس کے نماز کے اوقات کی حفاظت کرے اور جو کھانا وہ کھلا سکتا ہے
اس کو مہمان سے زور کے۔ لیکن مہمان پر لازم ہے کہ وہاں بیٹھے جہاں میزبان بٹھائے
اور جو کچھ اس کے سامنے لایا جائے اس پر راضی رہے اور گھر سے اہوازت لے کر
روانہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ مہمان کی مشایعت گھر کے دروازے تک کی جائے۔

(۳۵)

آداب نوم (نیند) کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص صبح تک سوتا رہے تو
(سمجھو) شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔

صوفیہ کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو ان کے
درمیان سونے سے اجتناب کیا جائے اگر کسی شخص کو نیند کا نلبہ ہو اور وہ اونگھنے لگے
تو یا تو وہ کھڑا ہو جائے یا باتوں میں مشغول ہو کہ یا کسی اور طریقے سے نیند کو دور کرے
چت سونے کی بھی عادت نہ ڈالے۔ خاص کر وہ شخص جس کو خراٹے لینے کی عادت ہو،

یعنی ایسے وقت دعوتِ زد سے کہ نماز کے وقت ہونے کا اندیشہ ہو، یا کھانا کھلانے میں اتنی
دیر نہ لگا دی جائے کہ نماز کا وقت چلا جائے۔

لے ان کا نام عبد اللہ، اس حضرت کے چچیرے بھائی ہیں۔ قرآن کے بڑے عالم اور مفسر ہیں۔
اس حضرت نے ان کے حق میں حصولِ علم دین کی دعا فرمائی تھی۔ ۶۷ حدیث وفات پائی۔

سونہا ہو تو پہلو پر سونا چلاہئے۔ اوندھے منہ سونا بھی ممنوع ہے۔

وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی نیند اللہ کے لئے یا اللہ کے ساتھ ہو۔ اللہ سے غافل ہو کر نہ سوئیں۔ اللہ کے لئے نیند اس شخص کی ہوتی ہے جس کا مقصد سونے سے یہ ہوتا ہے کہ وہ ادائی فرائض و نوافل نیند سے مدد لے۔ خصوصاً رات کے آخری حصہ میں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ حق تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں فرماتا ہے: کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ کیا کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کروں۔ کیا کوئی مغفرت حاصل کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ اللہ کے ساتھ سونے والا عارف و ذاکر ہے جس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے لئے سجدہ و قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

اللہ سے غافل سونے والا وہ ہے جس کو داؤد علیہ السلام نے اپنی مناجات میں بیان کیا ہے کہ اللہ فرمائے گا وہ شخص میری محبت کے دعوئی ہیں مجھوٹا ہے جرات آتے ہی مجھ سے غافل ہو کر سو جاتا ہے۔ کیا کوئی محب اپنے محبوب کی خلوت نہیں چاہے گا کیونکہ میں اپنے دوستوں کے دلوں پر مطلع ہوں۔

ان کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ طہارت کے ساتھ اپنے سیدھے پہلو پر سوتے ہیں اور سوتے وقت یہ دعا پڑھتے ہیں۔

اللهم وضعت جنبی وباسمک
ادفعہ۔ اللهم ان امسکت نفسی
اسے اللہ میں اپنے پہلو پر لیٹا ہوں اور
تیرے نام سے اس کو اٹھاؤں گا۔ اللہ

لے وہ متصفت یہ صفات باری ہو جاتا ہے لا تاخذه سنة ولا نوم۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سَجْدًا وَ قِيَامًا۔

اے بخاری شریف میں یہ دعا مروی ہے: اللهم افرج عني البلاء ظهري اليك وفوضت امری

اليك واسلمت وجهي اليك رغبة ورهبة اليك لا ملجأ ولا ملجأ منك الا اليك۔

اللهم اني امنت بكتابك انزلت ونبئك الذي ارسلت۔

فارحمہا۔ ان ارسلتہا فاحفظہا
 بما یحفظ بہ عبادک الصالحین
 اللہم قنی عذابک یوم تبعث
 عبادک۔

اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر
 رحم کر اور اگر اس کو چھوڑ دے تو
 اس کی حفاظت فرما جیسا کہ تو اپنے نیک
 بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اے اللہ
 مجھ کو بچا اپنے عذاب سے جبکہ تو اپنے بندوں
 کو اٹھائے گا قیامت کے دن۔

اور جب کبھی سیدار ہو تو اللہ یاد کرے اور اگر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور
 سو جائے تو اولیٰ ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص کم سونا چاہے تو اس کو اس قدر پانی پینا چاہئے جس سے
 تشنگی رفع ہو۔

اگر وہ ایک جماعت کے درمیان ہو اور وہ سو جائیں تو ان کی موافقت کرے
 اور سو رہے یا اٹھ کر چلا جائے۔

قبیلہ مستحب ہے تاکہ راتوں کو جاگنے میں اس سے مدد لی جائے۔

کہا گیا ہے کہ دن بچکنے کے بعد سونا خلافِ عادت ہے اور دن کے درمیان سونا
 فطری بات ہے اور دن کے آخر میں سونا حماقت ہے۔

بعض صوفیہ رات کو لیٹتے نہ تھے اور اس طرح انہوں نے ۳۰ برس گزار دیئے بلکہ
 نیند کے غلبہ کے وقت دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں حضرت سری سقطیؒ کے پاس ۳۰ سال سے
 زیادہ وقت تک آتا رہا۔ ان کو میں نے کبھی لیٹے ہوئے نہیں دیکھا بجز مرض الموت کے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے محراب کی طرف
 پاؤں لیے کئے تو آواز آئی جو بادشاہوں کی مجلس میں بلا ادب بیٹھے تو اس نے اپنے آپ کو
 قتل کے لئے پیش کیا۔

لے خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح صوفیہ پر جو واردات اترتی ہے وہ ان کے گریہ کا سبب ہوجاتی ہے۔

(۳۶) آداب سماع کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاذْأَسْمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَى الْوَسْوَءِ
تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ
اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو اناری گئی
رسول پر تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے
بننے لگتی ہیں۔

نیز فرماتا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ
الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ
پس خوش خبری دے میرے بندوں کو
جو سنتے ہیں باتوں کو اور ان میں سے
اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔

نیز فرماتا ہے:

فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ
وہ ایک باغ میں ہوں گے جس میں ان کو
مسرور کیا جائے گا۔

مجاہد نے 'یحبرون' کی تفسیر 'یسمعون' سے کی ہے (یعنی ان کو راگ

لے خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آیت میں قول کا لفظ بہت عام ہے جس میں سماع بھی داخل ہے جس کو
'أحسن القول' کہا جاسکتا ہے۔ دوران سماع میں صوفیہ کو تجلیات اور انکشافات ہوتے ہیں جو ان
میں احسن و اچل ہو وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

لے خواجہ صاحب اپنے پروردگار حضرت نظام الدین محبوب الہی سے نقل کرتے ہیں کہ ہشتی سماع کی
خواہش کریں گے تو ایک ہوا فضا و عرض سے چلے گی اور سدرہ منتی کے پتوں کے ٹٹنے سے ایسے
نغمے پیدا ہوں گے جن کی لذت تمام لذتوں سے بڑھ کر ہوگی اور اگر اہل دنیا اس کو سنیں گے تو دفور
لذت و مسرت سے جان دے دیں گے۔

لے مجاہد بن حیر، کیفیت ابو الجراح، عبد اللہ بن السائب بن سری السائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے۔
حضرت ابن عباس سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ عطاء،
طاؤس اور عکرمہ مشہور تابعین آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں وفات مکہ میں ۶۰ھ میں بجا تسمیہ ہوئی۔

سنا یا جائے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے کسی چیز کی اجازت اپنے نبیوں کو ایسی نہ دی جس کی خوش آواز سے ذکر کرنے کی۔

روایت ہے کہ آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

ان لدینا انکالا وجیمًا و طعماً ہمارے پاس قید اور آگ اور کھانا جو
ذاعصۃ و عذاباً ایما۔ گلے میں اکب جاتے اور دردناک
عذاب ہے۔

تو اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔

نیز روایت ہے کہ آپ کے سامنے یہ آیت

فکیف اذا جئنا من کل امۃ اس وقت کیا ہوگا جب کہ ہم ہر ایک
بشہید وجئنا بک علی ہولاء امت میں سے ایک گواہ کو لائیں گے
شہید ا۔ آپ کو ان پر گواہ کریں گے۔

پڑھی گئی تو آپ بہت دیر تک روتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس ایک لونڈی تھی جو مجھ کو
گانا سنارہی تھی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ گاتی رہی۔ اس کے
بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے تو وہ لونڈی بھاگ گئی۔ اس پر اس حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ہنس پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو
ہنسایا۔ آپ نے واقعہ بیان کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تک یہاں
سے نہ نکلوں گا جب تک کہ اس چیز کو دسٹوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے
آپ نے لونڈی کو حکم دیا تو اس نے گانا سنایا۔

حضرت ذوالنون المصری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے
فرمایا کہ سماع حق تعالیٰ کی طرف سے ایک واردات ہے جو قلوب کو اس کی طرف رجوع
کرتی ہے جو اس کو اس حقیقت کے ساتھ سے تودہ محقق بناتا ہے اور جو صرف خواہش انسانی

سے سننے تو زندگی بنتا ہے۔

حضرت سر سقراط علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مجھ پر حق کے دل سماع سے غوش ہوتے ہیں اور توبہ کرنے والوں کے دل ڈرتے ہیں اور مشائقوں کے دل اس سے سوز و گداز پیدا کرتے ہیں۔
 کہا گیا ہے کہ سماع اس چیز کو جو دلوں میں جاگزیں ہے حرکت میں لاتا ہے جیسا کہ سرود
 حزن، خوف ورجا اور شوق اور بسا اوقات گریہ کی تحریک کرتا ہے اور بسا اوقات طرب و مسرت
 پیدا کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ سماع کی مثال ابر کی طرح ہے جو اچھی زمین پر برسے تو زمین کو سرسبز
 کر دیتا ہے اسی طرح پاک دل سماع سے چھپے ہوئے فوائد کو ظاہر کرتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع میں ہر عضو کے لئے ایک حظ ہے۔ کبھی سماع سننے والا روتا ہے اور
 کبھی چلتا ہے اور کبھی تالی پیٹتا ہے اور کبھی ناچتا ہے اور کبھی بے ہوش ہو جاتا ہے۔

کہا گیا ہے اہل سماع تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے پروردگار سے سنا ہے
 اور ایک اپنے قلب سے سنا اور ایک اپنے نفس سے سنا ہے۔

بعض شائخ نے کہا ہے کہ سماع اس شخص کے لئے جائز ہے جس کا دل زندہ اور
 نفس مردہ ہو۔ لیکن جس کا نفس زندہ اور دل مردہ ہو تو اس کے لئے جائز نہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع اسی کے لئے جائز ہے جس کے حظوظ نفسانی فنا ہو گئے ہوں اور

لہذا خدا سے سننے کے معنی خواجہ صاحب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ”خدا کے حضور میں سنا ہے یا یہ
 کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ جیسا کوئی اپنے دوست کے ساتھ سماع سنتا ہو اور یہ بہت کم
 ہوتا ہے اور نہ ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی طلب اور اس کے
 جمال و جلال کے وجدان کے ساتھ سننے اور اس میں رخصائے الہی کا خواہاں و مجاہد ہو۔ قلب سے سننے
 کے یہ معنی ہیں کہ حضور قلب سے سننے اور طلب صادق رکھنا ہو۔ نفس سے سننے کے یہ معنی ہیں کہ
 اس کا نفس اس کا مزاج وقت ہو۔ اس کی خودی دور نہ ہوئی ہو اور وہ متروک اور منزحل اپنے عقائد
 میں ہو۔ پہلی حالت اعلیٰ، دوسری اوسط اور تیسری ادنیٰ ہے۔“

اس کے حقوق اور زمرہ داریاں باقی رہ گئی ہوں اور اس کی بشریت بچھ گئی ہو۔
 بعض صوفیہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کا
 سماع کے بارے میں کیا خیال ہے جس کو ہمارے اصحاب (صوفیہ) سنا کرتے ہیں۔ انہوں
 نے فرمایا کہ وہ ایک ایسی چکنی پھسلنے والی زمیں ہے جس پر صرف علمائے قدم ہی ثابت
 رہ سکتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع ایک شاہی چقماق ہے جس کی آگ اسی قلب کو روشن کرتی ہے
 جو محبت (الہی) میں جل رہا ہو اور اس کا نفس مجاہدہ سے جل کر (راکھ) ہو گیا ہو۔
 صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ وہ سماع میں تکلف نہیں کرتے اور نہ ان کے لئے اس کے
 واسطے کوئی وقت مقرر ہے۔ وہ اس کو لہو و لعب اور دل لگی اور خوش طبعی کے لئے
 نہیں سنتے بلکہ تائبین (توبہ کرنے والے)، خائفین (خوف کرنے والے)، اور امید
 رکھنے والوں کے صفات و اخلاق حاصل کرنے کے لئے سنتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ
 سے انہیں معاملات صوفیہ پر آمادگی ہو اور ان کے صدق ارادت کی تجدید ہو۔ اگر کوئی
 اس کو نہ جانتا ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ ایسے شخص کے پاس جائے جو ان چیزوں کا
 اس کو تعلیم دے۔

نصیر آبادی سے کہا گیا کہ آپ سماع کے بہت شیدا ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں
 یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے لوگوں کی غیبت کیا کریں۔ حضرت عمر بن عبید
 رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ اے ابوالقاسم! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے دیکھا ہے کہ
 سماع میں ایک لغزش ایسی ہو جاتی ہے کہ سال بھر تک غیبت کرنے کی برائی اس کو
 نہیں پہنچ سکتی۔

لے ابوالقاسم النصیر آبادی خواسان کے شیوخ صوفیہ میں سے ہیں۔ شبلی اور ابو الروباری کی صحبت
 اٹھائی ہے۔ فقہ، حدیث، تاریخ اور علم سکوک صوفیہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، حج بھی کیا تھا۔ مکہ معظمہ
 میں دو سال رہے اور وہیں ۳۶۷ھ میں انتقال فرمایا (مرآۃ الجنان جلد ۲ ص ۱۸۷)

حضرت ابوعلی رودباری نے کہا ہے کہ سماع میں ہم بعض اوقات ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ پرتلواری دھار کی طرح تیز ہوتا ہے۔ اگر ذرا غزش ہو تو ہم آگ میں گر جائیں۔

یہ ادب نہیں ہے کہ سماع میں حال کی استدعا کی جائے اور کھڑے ہونے میں تکلف کیا جائے مگر یہ کہ حال کا غلبہ ہو جو اس کو بے چین اور وارفتہ کر دے یا (قیام) کسی طالب صادق کی مدد کے لئے یا بغیر سکے اور اظہارِ حال کے محض خوش وقتی کے لئے ہو لیکن اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے مسجد کے کونے سے نعرہ لگایا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کون ہمارے دین میں خلل پیدا کرنے والا شخص ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اس نے اپنے آپ کو شہرت دی اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ اس کو میٹ دے گا۔“

نوجوانوں کا مشایخ کے حضور میں سماع کے وقت اٹھنا اور اظہارِ خیال کرنا مکروہ ہے حکایت ہے کہ ایک نوجوان حضرت بنید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہتا تھا۔ جب کبھی وہ سماع سنتا تو میلّا اٹھتا اور اس کی حالت متغیر ہو جاتی۔ حضرت بنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فرمایا کہ اس کے بعد تم سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہو تو پھر میرے ساتھ نہ رہو۔ چنانچہ اس نے بعد وہ نوجوان صبر و ضبط سے کام لینے لگا یہاں تک کہ بعض وقت اس کے ایک ایک رونگٹھے سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ ایک دن اس نے ایسا نعرہ لگایا کہ اس کی روح ہی بدن سے نکل گئی۔

لوگوں کے لئے ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ کھڑے ہوں اور حرکت کریں۔ اکثر مشایخ لوگوں کی موجودگی کو ناپسند کرتے ہیں۔

اور اگر وقت محدود ہو (اور ہر ایک اپنے حال میں مستغرق ہو) تو ان میں خلعت و مزاحمت اگرچہ موافقت کے خیال سے ہی کہوں نہ ہو جائز نہ ہوگی۔

حکایت ہے کہ حضرت ذوالنون مصریٰؒ جب بغداد آئے تو ان سے ملنے کے لئے

ایک جماعت گئی جن کے ساتھ قوال بھی تھا۔ لوگوں نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے قوالی کے لئے اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دی۔

قوال یہ اشعار سنانے لگا۔

صغیر هو اک عذب بنی کیف به اذا احتسنا
وانت جمعت فی قلبی ہوئی قد کان مشترکا
اما فرقاً لکتاب اذا ضحك الحنلی مکی
(تیری تنہا ہی سی محبت نے مجھ کو مبتلا کر دیا اگر یہ محبت بڑھ جائے تو
میرا کیا حال ہوگا اور تم نے میرے دل میں وہ تمام محبت جمع کر دی ہے
جو مشترک تھی۔ کیا تم ایسے مصیبت زدہ پر رحم نہ کرو گے کہ جب دوست
ہنسنا ہے وہ رونے لگتا ہے۔)

ان اشعار کے سننے سے ان کے دل کو سرور حاصل ہوا اور وہ کھڑے ہو گئے اور
وجہ کرنے لگے اور اپنی پیشانی کے بل گر پڑے جس کی وجہ سے پیشانی سے خون بہنے لگا۔
لیکن خون کے قطرے زمین پر نہیں گر رہے تھے پھر ان میں سے ایک اور شخص کھڑا ہوا۔
حضرت ذوالنونؒ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ”الذی یراک حین تقوم“
یہ سُن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔ سکون حضور قلب اور جمع ہمت کے ساتھ چاہئے۔

سمع سننے والوں کے حال کو دیکھتے ہوئے کھڑے رہنا ان کی حالت میں مداخلت
و مزاحمت کرنے سے اولیٰ ہے کیونکہ وہ محل استقامت و تمکین و سکون اور حضور باری تعالیٰ
میں خاموش رہنے کا مقام ہے۔
خدا سے تمنا لی فرماتا ہے:

لے یعنی میرے دل میں اور لوگوں کی محبت بھی مشترک تھی وہ مومن تیرے لئے ہو کر رہ گئے ہیں۔

لے یہ قرآن مجید کی آیت کا کڑا ہے جس کے معنی ہیں ”وہ خدا جو دیکھتا ہے تجھ کو جبکہ تو اٹھتا ہے“ یہ اس امر کی طرف
اشارہ تھا کہ بغیر کیفیت عارف کے وجہ کے لئے اٹھنا مناسب نہیں کیونکہ خدا ایسے اٹھنے والے کو دیکھ رہا ہے۔

فلما حضروا قالوا انصتوا - جب جنات حاضر ہوئے تو انہوں نے
نیز فرمایا: کہا کہ خاموش رہو۔

وخشعت الاصوات للرحمن عداے رحمن کے لئے (مخلوق کی
فلا تسمع الا همسا۔ آوازیں پست ہو گئیں اس طرح کہ
سوائے گلنا بٹ کے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

اگر مجلس سماع کا اتفاق ہو تو ابتداء قرآن سے کرنی چاہئے اور اسی پر ختم کرنی چاہئے۔
حضرت مشاہد دینوریؒ سے حکایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا: جب صوفیہ سماع کے لئے جمع ہوں تو کیا قرآن سے ابتداء
اور اس پر اختتام کیا جائے یا نہیں تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
مرید کے لئے نازل اور معشوق کے اوصاف کا سننا مکروہ ہے کیونکہ اس سے وہ
اپنی سابقہ حالت پر عود کرے گا۔

بعض مشایخ سے حکایت ہے انہوں نے کہا سماع کے شبہات کے گڑھے ہیں
ڈالنے والی شہوت ہے جس سے نکلنا سوائے عارف صاحب بصیرت و عقل کے دوسروں
سے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی شہوت کو روک سکتا ہے اور شبہات سے الگ ہو سکتا ہے۔
حضرت بنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر مرید جس کو تم سماع کی طرف جھکتا ہو ادیکھو تو سمجھو
کہ اس میں بطلان کا کچھ اثر باقی رہ گیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ سماع درحقیقت پل صراط ہے جب صاحب یقین و ایمان یا صاحب
شک و انکار اس کا قصد کرتا ہے تو وہ اپنے پر سے گزرنے والے کو یا تو اعلیٰ علیین
پر پہنچاتا ہے یا اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔

بعض مریدین نے مشایخ کو کہا کہ کیا مشایخ سماع نہیں سنا کرتے تھے۔ انہوں نے

لہ سلسلہ خشتیہ میں ان کا نام حضرت خواجہ حسن بھری سے ساتویں درجہ پر ہے۔ یحییٰ بن الجلاء اور
دوسرے مشائخین وقت کی صحبت اٹھائی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں وفات پائی۔

جواب دیا کہ اگر تم ان کے جیسے ہو تو تم بھی سن سکتے ہو۔

کہا گیا ہے کہ سماع ایک گھڑی بھر کی خوشی ہے جو زایل ہو جاتی ہے یا ایک گھڑی بھر میں مار ڈالنے والا نہ رہے۔

مجلس سماع میں جو شخص تبسم کرے یا لہو و لعب میں مشغول ہو تو اس کو حاضر نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ خفیفؒ سے حکایت ہے انہوں نے کہا کہ میں اپنے شیخ حضرت احمد بن یحییٰؒ کے ساتھ شیراز کی ایک دعوت میں حاضر ہوا وہاں سماع سننے کا اتفاق ہوا شیخ کو اس میں مٹھن آیا اور وہ کھڑے ہو کر وجد کرنے لگے۔ اسی صفت میں ہمارے سامنے ایک شخص اہل دنیا میں سے تھا۔ اس نے اس حالت کو دیکھ کر تبسم کیا۔ شیخ نے ایک شمع اداں لے کر اس پر دے مارا۔ وہ اس کو نہ لگا لیکن دیوار میں اس کے تین پاؤں پیوست ہو گئے۔ شیخ وہ شخص تھے جنہوں نے ۳۰ برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی تھی۔

بعض مشایخ سے سوال کیا گیا کہ قلوب، ارواح اور نفوس سماع سے کس طرح سیراب ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا قلوب کی سیرابی حکمت سے اور ارواح کی نعمتوں سے اور نفوس کی موافق طبیعت محفوظ سے۔

پوچھا گیا کہ سماع میں تکلف کس کو کتنے ہیں۔ جواب دیا ہر تکلف و دو قسم کا ہوتا ہے ایک تکلف سننے والے کا طلب جاہ اور منفعت دنیوی کے لئے اور یہ دھوکا اور خیانت ہے اور ایک تکلف وہ ہے جو حقیقت کی طلب میں اہل وجد کی ہمرنگی اختیار کرنے سے جس کو تواجد کہتے ہیں۔ جیسا کہ روانہ آئے تو اظہار ہمدردی کے لئے رونے کی صورت بنائی جا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مصیبت زدہ کو دیکھو تو رو، اگر روانہ آئے تو رونے کی صورت بنا لو۔

حضرت ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اہل سماع کے تین طبقے ہیں۔

۱۔ کتاب الطبع آپ ہی کی تصنیف ہے بکار صوفیہ میں سے ہیں آپ کا نام عبداللہ بن علی الطوسی ہے ۲۰۸ میں فوت ہوئے (مرآۃ الجنان جلد ۲ ص ۳۰۸)

ایک طبقہ وہ ہے جو سماع میں حق تعالیٰ کے ساتھ مخاطبت رکھتا اور حق کی آواز کو سنتا ہے اور ایک طبقہ وہ ہے جو سماع میں اپنے احوال، مقامات اور اوقات کے ساتھ مخاطبت رکھتا ہے وہ اپنے علم اور سچائی کے ساتھ مربوط رہتا ہے اور اسی میں اس کو اشارات ملتے ہیں اور انہی میں ایسے فقراء بھی ہیں جو تمام تعلقات سے اپنے آپ کو الگ کئے ہوئے ہیں اور ان کے دل دنیا کی محبت سے آلودہ نہیں ہوتے اور کسی کے دینے لینے سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔ وہ سماع اپنے قلوب کی پاکی کے ساتھ اللہ کی معیت میں سنتے ہیں۔ سماع انہی لوگوں کے لائق ہے اور وہی سلامتی سے زیادہ قریب اور فتنے سے بچے رہتے ہیں۔

ہر قلب جو دنیا کی محبت سے آلودہ ہو اس کا سماع طبیعت اور تکلف کا سماع ہے۔ کہا گیا ہے کہ سماع کا محتاج وہ شخص ہے جو ضعیف الحال ہو۔

حصیریؒ نے کہا ہے کہ اس شخص کی حالت کس قدر ادنیٰ ہے جس کو کسی محرک کی ضرورت ہے۔ بخدا جس عورت کی اولاد مرگئی ہو وہ کسی ماتم کرنے والی کی محتاج نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ ایک قوم کے لئے سماع دو اکی طرح ہے اور دوسری قوم کے لئے پچھلے کی طرح (سامان تفریح)

حضرت شیخ ابو عبد الرحمن اسلمیؒ نے کہا ہے کہ وہ جب ایک قوم کے لئے باعث ترقی ہے اور دوسری قوم کے لئے موجب نقصان۔ وہ مانند ہتھیار کے ہے کہ اس سے جہاد

لہ ابو محمد جعفر بن محمد بن نصرانیثا پوری۔ یہ ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ان کے پوتے محمد بن احمد السکری کا بیان ہے کہ حصیریؒ نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کر رکھی ہے۔ ایک حصہ میں نمازیں پڑھتے تھے اور ایک حصہ میں سوتے تھے اور ایک حصہ تصنیف و تالیف کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ ۳۰۳ء میں وفات پائی۔

لہ خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں: حصیریؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ اہل طلب کے سماع سے متعلق ہے۔ لیکن کا ملین جن کو ہر وقت خدا کی حضوری میسر ہے وہ سماع سے جوہر حاصل کرتے ہیں وہ ایک علیحدہ چیز ہے۔

فی سبیل اللہ میں کام لیا جاسکتا ہے اور اس سے اولیاء اللہ کو قتل بھی کیا جاسکتا ہے یہی حالت آفتاب کی ہے کہ وہ کسی چیز کو اچھا کرتا ہے تو کسی چیز کو خراب کر دیتا ہے۔ نیز انہوں نے کہا کہ سماع کے متعلق حکم، سننے والے کی حالت کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔ بعض صوفیہ نے ایک طواف کرنے والے شخص کو ”سفر بری“ کہتے ہوئے سنا تو اس کو غشی آگئی۔ سفر بری (سفری کو کہتے ہیں) اس سے لوگوں نے پوچھا، غشی کا کیا سبب تھا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے سنا۔ اسم تو بڑی بری (کوشش کر تو، تو میرا ایک سلوک دیکھئے گا)

حضرت شبلیؒ نے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا،

اسئل عن لیلیٰ فهل من مَخْبِرٍ

یکون لہ علم بہا این تنزل

(میں لیلیٰ کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ کیا کوئی خبر دینے والا ہے کہ اس کا

مقام کہاں ہے)

انہوں نے نعرہ لگایا اور کہا خدا کی قسم دونوں جہاں میں اس کے متعلق کوئی خبر دینے والا نہیں ہے۔

صحابیؓ نے کہا ہے کہ جب تم شخص کو وجد آئے اس کے لئے واجب ہے کہ اگر اس کا وجد صحیح ہو تو وہ اپنے وجد کی حالت میں (غرضتوں سے) محفوظ ہو اور اس کی زبان پر کوئی بُرائی کا کلمہ جاری نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ وجد صفاتِ باطن کا ستر (راز) ہے۔ جیسا کہ طاعت صفات ظاہر کا۔ صفات ظاہر حرکت و سکون اور صفاتِ باطن احوال و اخلاق ہیں۔

خرقہ جو سماع میں پھینکا جاتا ہے تو اگر وہ مساعِدت (مدد دینے) کے لئے اور ذوق کو بڑھانے کے لئے ہو تو وہ جماعت کا ہے

لہ غالباً یہ ابواسحاق السبکیؒ کی تصنیف ہے۔ جو بڑے حافظ حدیث کوئی ۳۰۰ شیوخ حدیث سے روایت کی ہے۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ ان کے بڑے مناقب ہیں۔ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

اور اگر وہ قوال کی قوالی اور شعر پڑھنے والے کے پڑھنے کے لئے ہے اور وہاں کوئی جماعت نہ ہو تو وہ خاص طور پر قوال کے لئے ہے۔ اگر وہاں جماعت ہو تو اس بارے میں شایع کے ازال مختلف ہیں۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ قوال کے لئے ہے۔ کیونکہ جب اپنے باطن میں اس کو قوال سے فائدہ پہنچا ہے تو اس نے اپنے کپڑے نکال کر اس کو بطور بدل اور تحفہ کے دیئے ہیں لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جماعت کے لئے ہے اور قوال ان میں سے ایک ہوگا کیونکہ برکت جماعت میں حاضر ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی نہ کہ قوال کی قوالی سے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے بدر کی لڑائی میں فرمایا: ”جو شخص اس مقام کو لے گا تو اس کو یہ مال ملے گا اور جو شخص فلاں کو قتل کرے گا اس کو یہ ملے گا اور جو کسی کو قید کرے تو اس کو یہ ملے گا نو جوانوں میں اس کے متعلق جھگڑا ہونے لگا۔ بوڑھے اور بڑے لوگ جھنڈوں کے پاس کھڑے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی تو نو جوانوں نے اپنا حق جو مقر کیا گیا تھا طلب کیا۔ بوڑھوں نے کہا کہ سارا مال غنیمت تم نے لے جاؤ کیونکہ ہم تمہاری پشت پناہ رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

قل الانفال لله ورسوله۔ کہو مال غنیمت اللہ اور اس کے

رسول کے لئے ہے۔

پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب میں علی السویر مال غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ بعض صوفیہ نے (مخوف کے متعلق) کہا ہے کہ اگر قوال اس جماعت کا ایک فرد ہو تو اس کو سب کچھ عود ہی لینا چاہئے اور اگر وہ اجنبی ہو (یعنی اس جماعت کا فرد نہ ہو) تو جو چیز از قسم خرقہ دی گئی ہے اور اس کی جو کچھ قیمت ہو سکتی ہو تو وہ اس کو خرقہ کے عوض دی جائے گی اور اگر فقراء کے پھٹے پڑانے کپڑے ہیں تو وہ ان کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اگر قوال اجرت سے بلایا گیا ہے تو اس کو خرقہ میں کوئی حق نہیں ہے اور اگر خیال ثواب اس نے قوالی کی ہے تو اس کو اس میں

جو کچھ مناسب ہو دیا جائے گا۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خرقہ تمام جماعت کا ہے تو ایسی صورت میں ان کو جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ جب تک کہ وہ سماع میں ہیں۔ اور جب سماع ختم ہو جائے تو اس کو بیچ میں جمع کرنا چاہئے۔ پھر اگر وہاں ان کا کوئی دوست ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسکو اس کے حق کے بموجب دیا جائے بغیر کسی اعتراض اور پکار کے۔ کیونکہ یہ چیز خرقہ کے اور جماعت کے حق کی پابجائی ہے۔

اگر وہاں کوئی صاحب حکم شیخ ہو تو وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے گا خواہ خرقہ کو پھاڑ کر یا تبدیل کر کے یا اس کو واپس دے کر جس طرح چاہے عمل کر سکتا ہے۔ اہل شام نے کہا ہے کہ فقیر اپنے خرقہ کا زیادہ حقدار ہے لیکن جمہور نے اس سے انکار کیا ہے۔

ان میں بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر خرقہ بہ سبیل مسامتت دیا گیا ہو یا تکلف سے مخلوط ہو تو اس کیڑے کو واپس کرنا اولیٰ ہے۔ اکثر مشائخ خرقہ کو بہ سبیل مسامتت پھینکنے کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس میں تکلف ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔

اور اگر وہاں کوئی شیخ صاحب حکم نہ ہو تو سامعین مصلحت وقت پر عمل کریں اور اس میں کسی تاخیر کو روانہ نہ رکھیں۔

صوفیہ پیوند لگے ہوئے کیڑے کو پھاڑنا مکروہ سمجھتے ہیں مگر یہ کہ تبرکاً ایسا ہو اور اگر فقراء کے خرقے ہوں اور وہ پیوند لگانے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ایسے کیڑوں کا پھاڑنا اولیٰ ہے تاکہ ہر ایک کو اس کا حصہ مل سکے اور ان میں سے کوئی محروم نہ ہو۔ جو لوگ حاضر ہیں ان ہی کو خرقہ دینا چاہئے نہ کہ غائب کو کیونکہ غنیمت اس کے لیے ہے جو جگہ میں موجود ہو اور اگر ان کے ساتھ ان کا کوئی دوست ہو تو ان کو خرقہ جس طرح وہ تقسیم ہو کر دیا جائے گا لیکن اس میں بھی مشایخ کا اختلاف ہے۔

بعضوں نے کہا کہ ان میں درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ ورثت

اور غنیمت میں بہتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر کوئی شیخ تقسیم کرے تو وہ کم و بیش درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے تقسیم کر سکتا ہے اور اگر وہ خود باہم تقسیم کریں تو علی السویرہ کریں لیکن جو کچھ اپبوند کے قابل نہ ہو تو اس کو کسی فقیر کو دینا اور ایثار اختیار کرنا اولیٰ ہے۔ اور اگر دوستوں کے کپڑے ہوں تو ان کو بیچنا اولیٰ ہے یا یہ کہ ایثار کر کے قوال کو دے دیئے جائیں اور ان کو چاک نہ کیا جائے۔

(۳۷)

آداب تزویج کے بیان میں

اولیٰ یہ ہے کہ دیندار اور صالح عورت کی طرف رغبت کی جائے۔ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے نکاح اس کے دین، مال اور جمال کے لیے کیا جاتا ہے تم کو چاہئے دیندار عورت سے نکاح کرو۔ اس سے تمہاری پانچوں انگلیاں گھی میں رہیں گی۔ آپ نے فرمایا: سب سے برکت والی عورت وہ ہے جس کے اخراجات کم ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: عورتوں کی خلقت صنعت اور بے پردگی پر ہوتی ہے۔ اُن کے صنعت کا علاج خاموشی سے کرو اور بے پردگی کا ان کو گھر میں رکھ کر۔ صوفیہ کے آداب تزویج کے بارے میں یہ ہیں کہ دنیا کے لئے نشادی نہ کی جائے اور نہ مالدار عورت سے، بلکہ سنت پر عمل کرنے اور غفلت سے بچے رہنے کے لئے پھر اپنی طاقت کے موافق بیوی کے ضروری اخراجات کو برداشت کیا جائے۔ اگر عورت زیادہ کا مطالبہ کرے جو شوہر کی طاقت سے باہر ہو تو اس کو اختیار دے، چاہے وہ غربت و مسکنت میں رہنے کو پسند کرے یا طلاق اور فرقت حاصل کرے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عمل فرمایا تھا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

لے عربی میں ”تثبت یدک“ یعنی تمہارے دونوں ہاتھوں کو مٹھی لگے، جس کو ہمارے محاورہ میں ”پانچوں انگلیاں گھی میں“ کہا جاتا ہے۔

یا یہا النبی قل لا ذوا جث ان
کنتی ترون الحیوة الدنیا
و ذینتها - الآیہ
اے نبی کو اپنی بیویوں سے اگر
تم دنیا کی زندگی چاہتی ہو اور یہاں
کی رونق -

اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نو تھیں۔ اس آیت کے
اُترنے کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتدا کی اور فرمایا کہ ”ایک بات
تم سے کہنا ہوں، اس میں ابو بکرؓ سے مشورہ کرو اور حبيب آپ نے اللہ کا حکم سنایا تو
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”کیا میں آپ کے بارے میں اپنے
والدین سے مشورہ کروں؟“ اور کہا ”میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔“ اور
کہا کہ ”اس کی آپ دوسری۔“ ازواج کو اطلاع نہ دیں؟“ آپ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو میں
فروان سے کہوں گا کہ عائشہ نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار ہے، پس حبيب
آپ نے دوسری ازواج مطہرات کو اس کی اطلاع دی تو سب نے حضرت عائشہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقلید کی جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور یہ آیت
اتاری:

لا یحل لك النساء من بعد - اس کے بعد تم کو عورتیں حلال
(الآیہ) نہ ہوں گی۔

ہمارے زمانہ میں بہتر ہے کہ تزویج سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور نفس کو
ریاضت، سبھوک اور بیداری اور سفر سے زیر کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ حصول کمال اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہو کیونکہ دیکھا گیا ہے
کہ زمانہ تحصیل علم و تربیت میں ازدواجی تعلقات خارج ہوتے ہیں۔ اس قول میں
مطلق نکاح کی نفی نہیں کی گئی اور نہ اس کی ممانعت کو بتایا گیا ہے ورنہ انبیائے کرام اور
صوفیائے عظام نکاح نہ کرتے۔

نے فرمایا: ”تم کو چاہئے کہ نکاح کرو اور کسی میں اتنی استطاعت نہ ہو تو اسے روزے رکھنا چاہئے کیونکہ گویا یہ خصی کرنا ہے“

بعض صالحین کو کہا گیا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا: میرا نفس ہی مجھ کو بس ہے۔ اگر میں اس کو طلاق دے سکتا تو دے دیتا۔ اب ایک اور کو میں کیوں اپنے پیچھے لگاؤں۔

حضرت بشر (حافیؒ) نے کہا کہ اگر مجھے ایک مرغی کا اتھام سپرد کیا جائے تو میں اپنے نفس سے مطمئن نہ ہوں گا (اور مجھ کو خوف ہو گا کہ کہیں) میں کو تو ال کے فرائض تو انجام نہیں دے رہا ہوں (مطلب یہ کہ جس طرح جو ان کو تو ال کو انتظام کے لئے سختی کرنی پڑتی ہے وہی طریقہ مجھ کو ایک مرغی کے اتھام میں اختیار نہ کرنا پڑے اور میں ظلم و جور کا عادی نہ ہو جاؤں) پھر فرمایا کہ عفت و پارسائی کے لئے سختی جھیلنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اہل و عیال کے ساتھ مصالحت کی جائے (اور ان کو راضی رکھا جائے) عورت سے صبر کرنا زیادہ سہل ہے بہ نسبت اس پر صبر کرنے کے (یعنی اس سے تعلق پیدا کر کے تکلیف اٹھانے اور ان پر صبر کرنے کے) ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اہل و عیال کی تکلیف (درحقیقت) سزا ہے۔ حلال شہوت سے مقید ہونے کی۔ حکایت ہے کہ میمون بن مہران کے پاس کسی شخص نے ان کی لڑکی کے لئے نسبت بھیجی تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا وہ زیور اور کپڑے مانگتی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جو مانگتی ہے وہ میرے پاس موجود ہے تو انہوں نے فرمایا تو اب اس کے لئے تم کو موزوں

لے میمون بن مہران اہل رقبہ میں سے تھے۔ ابو ابوب کثیت تھی۔ ان کی ماں قبیلہ ازد کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور باپ قبیلہ بنی نضیر کے مکاتب (غلام جس کو ایک مقررہ رقم دینے پر آزاد کیا جاتا ہے) تھے۔ ابو ملیح کہتے ہیں میں نے میمون سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ صغۃ الصفوہ میں ان کے بہت سے اقوال دیئے ہیں۔ حصون بن عمر اور ابن عباس اور دیگر صحابہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۱۱۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

نہیں سمجھتا۔

بعض صوفیہ نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا گیا کہ تم کو اس میں کیا بُرائی نظر آئی؟ انہوں نے کہا کہ کوئی عقلمند آدمی اپنی بیوی کا پردہ چاک نہیں کرتا جب انہوں نے طلاق دے دی تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیوں طلاق دی؟ جواب دیا کہ مجھے ایسی عورت کے متعلق جو میرے لئے اجنبی ہو گئی ہے کوئی گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا تو ان سے فرمایا کہ تم اپنے نکاح کا خطبہ دو۔ اس وقت مہاجرین، انصار جمع تھے۔ ان کے روبرو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الحمد لله حمداً يبلغه ويرضيه	اللہ کے لئے ساری تعریف ہے۔ ایسی
وصلی اللہ علی محمد و آلہ	تعریف جو اس کو پہنچے اور وہ اس کو پسند
تزلفه و تحطیہ و النکاح لہا	فرمائے اور اللہ محمد پر درود بھیجے جو ان کو
امر اللہ بہ و یرضیہ و اجتماعتہا	قریب کر دے اور فائدہ پہنچائے نکاح
مما اذن اللہ فیہ و قدرہ و	ایک ایسا کام ہے جس کا اللہ نے حکم دیا
هذا محمد رسول اللہ ذو جف	اور اس کو پسند کیا اور ہم کو اس کے لئے
بنتہ فاطمۃ علی صداق خمائتہ	جمع ہونے کی اجازت دی اور ہمارے لئے
درہم و قد رضیت فاسئلوہ	مقرر کیا ہے۔ یہ محمد رسول اللہ صلی
واشهدوہ۔	اللہ علیہ وسلم، تعریف فرما رہے ہیں۔ انہوں نے
	اپنی صاحبزادی صاحبہ کا بیاہ مجھ سے

لے آں حضرت کی صاحبزادی ہیں۔ سیدۃ النساء کہلاتی ہیں۔ ان حضرت کی نہرت سے ۵ سال پہلے پیدا ہوئیں اور آپ کی وفات کے ۶ ماہ بعد وفات پائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ امام حسن اود امام حسین رضی اللہ عنہما آپ ہی کے بطن سے ہیں۔

پانسو درہم مہر پر کیا ہے جس کو میں نے
منظور کیا۔ پس آپ لوگ اس کے متعلق
دریافت کر لیں اور گواہ رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ہمارے گھر میں صرف ایک بکری کی کمال تھی
جس پر ہم سوتے تھے اور دن کو اس میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاتے تھے“

(۳۸) آداب سوال کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فقراء کی مدد میں فرماتا ہے:

- ۱۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافَا۔ وہ لوگوں سے اصرار کر کے نہیں مانگتے۔
- ۲۔ وَاَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَر۔ سائل کو مت جھڑکو۔

اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سائل کو دو اگرچہ وہ گھوڑے پر ہی
بیٹھ کر کیوں نہ آیا ہو“

نیز فرمایا: ”اگر سائل اپنے سوال میں سچا ہے تو جو شخص اس کے سوال کو رد کرے
وہ فلاح نہیں پائے گا۔“

نیز فرمایا: ”صاحبِ صدقہ کو اس سے زیادہ اجر نہیں ہے جو اس کے قبول کرے
کو ملتا ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔“

اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر ایسا شخص سوال کرے جو مستغنی ہو
تو وہ اپنے لیے دوزخ کی آگ کو زیادہ کر رہا ہے۔“

نیز فرمایا: ”کسی مالدار اور قوی تندرست شخص کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔“

لے اس حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا قبول کرنے والا اگر وہ محتاج ہو تو صدقہ دینے والے
سے کم اجر نہیں پائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بفرورت اس نے صدقہ حاصل کیا۔ جھوٹ موٹ کہہ کر
صدقہ نہیں لیا اور اپنے آپ کو مرکبِ گناہ نہیں کیا۔ گناہ سے بچنا بھی داخلِ ثواب و اجر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ایسا پیشہ جس میں دنائت (ذلت) ہو لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے۔“

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ صوفی جو مصیبت کے وقت اسباب ظاہری کو حاصل کرنے (مدد لینے) کا اپنے آپ کو عادی بنائے تو سمجھ لو کہ وہ اپنے نفس کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتا اور نہ صیر کی طاقت (دعوت) اس میں پیدا ہو سکتی ہے۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو شخص سوال کا عادی ہو جائے تو اس نے اپنے آپ کو طمع، خیانت اور کذب میں مبتلا کر لیا۔“

اس بارے میں صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ وہ بجز ضرورت اور حاجت کے سوال نہیں کرتے اور نہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر فقیر سوال پر مجبور ہو جائے تو اس کا کفارہ اس کی سچائی ہے۔

کہا گیا ہے کہ کسی طالب کو رو کر ناجائز نہیں ہے کیونکہ اگر وہ شریف ہے تو تم اس کی ابرو پھاؤ گے اور اگر وہ کمینہ ہے تو تم اپنے آپ کو اس سے بھاؤ گے اور اپنی ابرو کو اس سے محفوظ رکھو گے۔

صوفیہ سوال کو اپنی ذات کے لئے مکروہ سمجھتے اور اپنے اصحاب کے لئے مستحب خیال کرتے ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت مشاد دینوریؒ کے پاس جب غریب لوگ آتے تو وہ بازار میں جاتے اور دکانوں سے جو کچھ ملتا جمع کر کے لاتے اور ان کو دے دیتے اور اس چیز کو وہ سوال نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ نیکی اور پرہیزگاری میں مدد دینا ہے۔

اُن حضرت علیہ السلام اپنے اصحاب کے لئے سوال کرتے تھے اور اگر یہ بُرا ہوتا تو اس سے احتراز فرمایا جاتا۔

لے یہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ و تعالوا على البر والتقوى ولا تعالوا على الاثم والعدوان (نیکی اور پرہیزگاری میں مدد اور اچھا، برے میں مدد نہ کرو)

اپنے بھائیوں کے لئے بذل جاہ (آبرو کو خرچ کرنا اور اس سے کام لینا) مستحب ہے۔ بعض مشایخ نے کہا ہے کہ فقیر کے لئے فقر اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی آبرو اُسی طرح خرچ نہ کرے جس طرح کہ وہ اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔ خادم کا سوال کرنے میں ادب یہ ہے کہ وہ لینے اور دینے میں اپنے نفس کا کوئی تعلق نہ رکھے اور اس کا بھروسہ مسکینوں کی ہمت پر رہے اور دونوں فریق کے درمیان مثل وکیل کے کام کرے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب تم سوال کے لئے لوگوں کے پاس ہٹکو تو نہ تم ان کو دیکھو اور نہ اپنے نفس کو (سو اسے خدا کے تمہارے پیش نظر کوئی اور نہ رہے)

حضرت شیخ ابوالعباس نہاد ندویؒ کے پاس جب غریب لوگ آتے تو وہ بازار میں جاتے اور جو کچھ کھانا سالن کسی سے ملتا اس کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر لاتے اور غریبوں کو دیتے اور کہا کرتے کہ سبیل برس سے میں نے کوئی چیز کسی سے نہیں لی۔ وہ سوال کو مکروہ سمجھتے اور سوال کرنے والوں کو ناپسند کرتے تھے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سوال کسی کے واسطے جائز نہیں ہے بجز اس شخص کے جس کے پاس دینا لینے سے زیادہ محبوب ہے۔

خادم کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ اپنے لوگوں کے لیے جس قدر خرچ کی ضرورت ہو اتنا قرض لے اور ان پر خرچ کرے پھر سوال کرے اور اپنا قرض ادا کرے۔ یہ بات سلامتی سے قریب تر ہوگی۔

بعضوں نے سوالی کو اس شخص کے لیے جائز رکھا ہے جو اس سے اپنے نفس کی تذلیل چاہتا ہو۔

۱۔ ان کا پورا نام احمد بن الحسین القاضی ابوالعباس النہادندی ہے۔ دارقطنی مشہور محدث کے زمانہ میں تھے ان کا سن وفات معلوم نہ ہو سکا۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۱۵۷)

کہا گیا ہے اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو رد (سوال) کی ذلت کو نہ چکھے۔
 بعض مشایخ سوائے سوال کے نہیں کھاتے تھے۔ اس کے متعلق ان سے
 پوچھا گیا تو کہا کہ یہ میں نے اس لئے اختیار کر رکھا ہے کہ میرے نفس کو اس سے کراہت
 لگایا ہے کہ حکم یہ ہے کہ فقیر بجز وقت حاجت کے کسی سے سوال نہ کرے اور اس میں
 نہ پہلے سے کوئی ارادہ رکھے اور نہ بعد کا کوئی خیال کرے۔ اس کی زبان غلوئی کی طرف اشارہ
 کرتی ہو لیکن اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو۔
 کہا گیا ہے کہ احرار (جو افرادوں) کی کوشش اپنے بھائی کے لیے ہوتی ہے نہ کہ
 اپنی ذات کے لیے۔

کہا گیا ہے کہ سوال کر کے کھانا اس سے بہتر ہے کہ اپنی پرہیزگاری کے ذریعے
 (واسطہ بنا کر) کھائے۔

کہا گیا کہ جس نے سوال کیا اور اس کے پاس بقدر کفایت کھانے کے موجود ہو، تو
 خوف ہے کہ اس سے قیامت کے دن فقراء جھگڑا کریں اور کہیں کہ تو نے وہ چیز لے لی جو
 اللہ نے ہمارے لیے مقرر کر رکھی تھی اور تو ہم میں سے نہیں تھا۔

(۳۹)

آداب صوفیہ بحالت مرض

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے کہا: ایک دن کا بنجار
 ایک سال (کے گنا ہوں) کا کفارہ ہے۔ آپؐ نے انصار کو جب کہ وہ بنجار میں مبتلا تھے

لے حضرت خواجہ صاحب یہاں ایک نکتہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذوقِ امانت
 اس کے لیے شیریں ہو جائے۔ ایسی صورت میں ردِ سوال کی ذلت، ذلت نہ رہے گی اور اس
 سے نفس کی جو اصلاح مقصود ہے وہ حاصل نہ ہوگی۔ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ہر روز تم خدا کے
 سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو اور بیا اوقات وہ تمہارے سوال کو رد کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اپنے
 ہم جنسوں سے رد کی ذلت کو کیوں گوارا کرو۔

کہا: ”تمہارے لیے خوشخبری ہو کیونکہ بیمار کفارہ ہے اور بہت بڑا پاک کرنے والا (گناہوں کا) ہے۔“
 بعض حکماء نے کہا ہے کہ بیماریوں میں بہت سی نعمتیں ہیں۔ کسی مائل کے لیے زیبا
 نہیں ہے کہ اس سے غافل رہے کیونکہ بیماریاں گناہوں سے پاک کرتی اور صبر کا ثواب
 پہنچاتی ہیں اور غفلت سے جگاتی اور سالمیت صحت کی نعمتوں کو یاد دلاتی ہیں اور توبہ کی
 تجدید کرتی اور صدق پر ابھارتی ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت ذوالنونؒ ایک مریض کی عیادت کے لئے گئے وہ کراہنے لگے
 ذوالنونؒ نے کہا: ”محبت میں وہ سچا نہیں ہے جو اپنے محبوب کی مار پر صبر نہ کرے۔“ مریض
 نے جواب دیا: ”نہیں بلکہ محبت میں وہ صادق نہیں جو اپنے محبوب کی مار سے لذت اندوز نہ ہو۔“
 حکایت ہے کہ بعض عارفین میں سے ایک صاحب مریض ہوئے اور انہوں نے
 طبیب سے اپنی شکایت بیان کی۔ ان سے کہا گیا کہ کیا یہ شکوہ و شکایت نہیں ہے؟
 انہوں نے کہا: ”نہیں یہ تو قادر کی قدرت سے خبر دیتا ہے۔“

الکلیب السخاویؒ کے خادم نے بیان کیا کہ میرے شیخ نے ایک دن مجھ سے کہا کیا
 میری جلد کے اوپر کا کوئی حصہ کیڑوں سے خالی ہے سوائے زبان کے؟ میں نے کہا نہیں۔
 انہوں نے کہا: اسی طرح میری جلد کے اندر کا کوئی حصہ کیڑوں سے نہیں بچا ہوا ہے سوائے
 قلب کے۔

جب محتاد دینوریؒ بیمار ہوئے تو ان سے پوچھا گیا: آپ کی بیماری کا کیا حال ہے؟
 انہوں نے کہا: بیماری سے پوچھو کہ وہ کس طرح مجھ کو پاتی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کے
 قلب کی کیا کیفیت ہے؟ انہوں نے کہا: تیس برس ہوئے کہ میں نے اپنے دل کو
 کھودیا ہے۔“

بعض مشایخ نے کہا کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بیمار ہو کر اچھا ہو جاؤں اور اللہ
 کا شکر ادا کروں پر نسبت اس کے کہ بیماری میں مبتلا ہو کر صبر کرتا رہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے قصد میں فرمایا ہے:

نعم العبد استعذاب - وہ کیا اچھا بندہ ہے کہ خدا کی طرف متوجہ ہے۔

اور اے اللہ کے قصہ میں فرمایا:
”نعم العبد“
کیا ہی اچھا بندہ ہے۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”اے اللہ کے بندو! دو کرو کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کے بچنے والا نہ ہو۔“
آپ سے کہا گیا: ”یا رسول اللہ! کیا دو کرنے سے قضا الہی پلٹ جائے گی؟“ تو
آپ نے فرمایا: ”وہ بھی تو قضا الہی ہے۔“

حالت موت کے آداب کے بیان میں

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کا (جو لقاات کو منہدم کرنے والی ہے) زیادہ ذکر کرتے ہو کیونکہ جو بندہ اس کو وسعت و کشادگی کی حالت میں یاد کرے گا تو وہ کشادگی تنگ ہو جائے گی اور اگر تنگی کی حالت میں اس کو یاد کرے گا تو اس میں کشادگی پیدا ہو جائے گی۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجا لیتے مرض موت و اکوایات (ہائے تکلیف) کہا تھا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ خدا پر اپنی مضبوطی و بہادری کا اظہار نہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، نیز کہا گیا ہے کہ اُمت کو شدتِ موت کی خبر دینا مقصود تھا تاکہ وہ موت کی تکلیف سے ڈرتی رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے یہ اعتراف سچا اور تواضع کے لئے فرمایا تھا تاکہ ایسا کتنا مشروع ہو۔

لے عمر اس میں جو شام کا ایک مقام ہے مسلمانوں کی فوج میں طاعون پھیلنا اور لوگ مرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سپہ سالار فوج حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو کھاکہ فوج کو کسی بلند مقام پر منتقل کرو۔ حضرت ابوعبیدہ نے جواب دیا کہ قضا الہی سے بھاگ کر ہم یہ عمل کریں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا: ہاں اس صورت میں ہم قضا الہی سے قضا الہی کی طرف بھاگیں گے۔

نیز کیا گیا ہے کہ جب آپ پر وہ باتیں جن کا وعدہ کیا گیا تھا ہر ہوئیں اور خدا نے تعالیٰ کی ملاقات کا وقت پہنچا تو آپ نے دنیا اور اس کی مخلوق کی زحمت کا خیال فرماتے ہوئے ہائے تکلیف فرمایا کہ کچھ حجاب باقی ہے وہ کب رفع ہوگا اور رب الارباب نے صال کب حاصل ہوگا۔

جبریلؑ کہتے ہیں کہ میں حضرت بنید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان کے نزدیک تھا اور اس وقت وہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ اپنے نفس پر رحم کیجئے انہوں نے فرمایا کہ اس وقت سب سے زیادہ جس چیز کی مجھے ضرورت ہے وہ یہی تو ہے اب تو میرا صحیفہ حیات لمیٹ دیا جا رہا ہے تو اس کا خاتمہ قرآن پر ہونا رہنما ہے۔ پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ جب سورہ بقرہ کی ستر آیتیں پڑھ چکے تو وہ اہل بقی ہوئے۔

حکایت ہے کہ نسلِ محمدؐ نے بوقتِ نزع ملک الموت کو دیکھا اور فرمایا کہ تم بھی مامور بندہ ہو اور میں بھی مامور بندہ ہوں جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے وہ فوت نہ ہونے پائے اور جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ بھی فوت نہ ہو۔ پھر پانی منگو کر وضو کیا اور نماز پڑھی اور تکبیر پڑھی اور جاں بحق ہوئے۔

علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کیا تم سمجھتے ہو کہ میں عام بیماروں کی طرح مرنے کا جب مجھ کو بلایا جائے گا تو میں اس کو (بخوشی) قبول کروں گا۔ چنانچہ ایک دن

لہ احمد بن محمد بن ابی حمزہ حیرانی، سری سقطی سے انہوں نے حدیث کی روایت کی۔ جنید ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اپنے بعد ان سے متنفذ ہونے کی ہدایت کی۔ ان کا سن وفات ۲۶۷ھ ہے۔

لہ ان کا نام محمد بن اسماعیل ہے اور کنیت ابوالحسن اکابر صفویہ میں سے ہیں اور صاحب کرامات۔ بغداد کے ایک محلہ سامرا میں رہتے تھے۔ ۲۳۲ھ میں بعمر ۱۳۰ سال فوت ہوئے۔ (المنظوم)

لہ علی بن سہل بن المغیرہ ابوالحسن البزار، شعبان بن الولید اور ابو نعیم سے حدیث روایت کی ہے۔ ۲۷۱ھ میں فوت ہوئے۔

بیٹھے ہوئے تھے بیکایک بیک (حاضر ہوں) کہا اور وفات پائی۔

حکایت ہے کہ جب احمد بن خضرویہؒ کی وفات کا وقت آیا تو ان پر سات سو دینار کا قرض تھا اور ان کے قرض خواہ ان کے اطراف جمع ہو گئے۔ انہوں نے ان کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ تو نے مالداروں کے لیے رہن کو وثیقہ گردانا ہے تو میرے قرض خواہوں کا وثیقہ لے لے اور اس کے بعد مجھ کو اپنے پاس بلا۔ اتنے میں کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا: کیا یہ احمد بن خضرویہ کا گھر ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، پوچھا: ان کے قرض خواہ کہاں ہیں؟ وہ اس کے پاس گئے۔ اس نے ان کا قرض چٹنا کر دیا۔ اس کے بعد ان کی روح غالب سے جدا ہو گئی۔

حضرت ابوعثمان کی وفات کا وقت آیا تو ان کے لڑکے نے اپنی قمیص کو چاک کر دیا دشت الم سے، تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور کہا کہ بیاتم نے ظاہر میں خلاف سنت عمل کیا جو قلب کی ریاء باطن کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو موت کے وقت لا الہ الا اللہ کی تلقین کی گئی تو فرمایا: کیا میں اس کو قبول کیا ہوں جو یاد کروں۔

حضرت ابو محمد دیلمیؒ کو لا الہ الا اللہ کہنے کو کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو ہم جانتے ہیں اور اسی پر ہم فنا ہوں گے۔ اسی طرح حضرت ریوم سے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے سوا غیر کا احساس نہیں رکھتا۔

حکایت ہے کہ حضرت ابوسعید الخدریؒ از موت کے وقت بجا کرتے وجد تھے۔ ان کے

لے ابن خضرویہ البغنی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابوطاہر ہے۔ ابوتراب بخشی اور حاتم صم کی صحبت اٹھائی ہے اور ابوصف نیشاپوری کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ہیں ابوصف کا قول ہے کہ میں احمد بن خضرویہؒ کا زیادہ عالی ہمت اور صادق الحال کسی کو نہیں دیکھا۔ ۲۴۰ھ میں ۱۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ لے اس جملے کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں تمہارے غم کا اثر بظاہر جس قدر معلوم ہوتا ہے اس قدر قلب میں نہیں۔ لے ان کا نام احمد بن عیسیٰ ہے ہمیشہ ذکر و مراقبہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ابراہیم بن ہشام سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے علی بن المصیری نے روایت کی ہے۔ ۲۷۷ھ میں فوت ہوئے۔

تمام بدن سے رُوح نکل چکی اور حلقوم میں آکر اٹھ گئی تھی اور وہ پیشِ عمر بہ شکل رجز چڑھ رہے تھے۔

وَجِبْتَ الْقُلُوبَ الْعَاشِقِينَ بِذِكْرِ

وَتَذْكَارِهِمْ وَقْتَ الْمُنَاجَاتِ لِلَّسْرِ

(اس کے ذکر سے عاشقوں کے دل دیوانہ ہو گئے اور مناجات کے وقت

ان کی یاد پوشیدہ طور سے کی جاتی ہے)

وَأَجْسَاهُمْ فِي الْأَرْضِ سَكْرَى لِحُبِّهِ

وَرَدَّاهُمْ فِي الْعَجِبِ فَعَوَّالِ عَلَى تَسْرِي

(ان کے جسم زمین میں محبت سے سرشار ہیں اور ان کی روحیں تعجب کے ساتھ

بلندی کی طرف چڑھ رہی ہیں۔)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی طرف دیکھا جو دم توڑ رہا تھا۔ منہ پایا کہ ”جس انسان کی آخری حالت یہ ہو تو اس کو اول ہی زہد اختیار کرنا چاہیے اور اگر انسان کی اول حالت یہ ہو تو آخری حالت سے ڈرنا چاہئے۔“

حکایت ہے کہ جب حضرت شبلی علیہ الرحمۃ علیل ہوئے اور ان کی زندگی کی امید نہیں رہی تو تمام مشائخین ان کے پاس جمع ہو گئے اور ان کے اطراف بیٹھ رہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا خبر ہے تو مالکی نے جو سب میں زیادہ ان سے بے تکلف تھے، کہا کہ یہ لوگ آپ کے جنازہ میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے کہا: بڑے تعجب کی بات ہے کہ مُردے زندہ کے جنازے کے لئے آئیں!

حضرت ابو بکر دینوریؒ کہتے ہیں کہ جب شبلیؒ وفات پانے لگے تو کہا کہ منہ پر ایک درہم منظمہ (نظم سے حاصل کیا ہوا درہم) ہے۔ میں نے ہزاروں روپیہ اس شخص کی جانب سے نیرات کیے لیکن میرے دل پر اس سے زیادہ کسی چیز کا بار نہیں ہے۔ پھر کہا مجھ کو وضو کراؤ

لہٰذا ان کا نام محمد بن عبید اللہ تھا۔ بغداد میں رہتے تھے۔ سلطان جلال الدولہ اکثر ان کی ملاقات کیلئے آتا تھا۔ ۳۶ شعبان ۴۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ (المنظم ج ۸)

قومیں نے ان کو دھوکہ دیا لیکن ان کی ڈاڑھی میں غلال کرانا مجھول گیا۔ اس وقت ان کی زبان بند ہو گئی تھی۔ انہوں نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور اپنی ڈاڑھی میں اس کو داخل کیا (غلال کرنے کیلئے) درحالیکہ ان کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا۔ اس حالت میں بھی انہوں نے اس قدر سنت کو بھی چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ اس کے بعد وفات پا گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عمرو بن العاص کے پاس آئے اور وہ اس وقت احتضار کی حالت میں تھے اتنے میں ان کے بیٹے عبد اللہ بھی آ گئے انہوں نے عبد اللہ سے کہا کہ اس صندوق کو لے لو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مال سے بھرا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ اے کاش! وہ فقر سے بھرا ہوتا۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ اے ابابعب اللہ! آپ کہا کرتے تھے کہ میں کسی عقلمند آدمی کو بحالت مرگ دیکھ کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ موت کی کیفیت کس طرح ہوتی ہے۔ تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کیا محسوس کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آسمان کو زمین پر ڈھکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور میں اس کے درمیان ہوں اور میری جان گویا سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اے اللہ! جو کچھ ہے مجھ سے لے لے تاکہ تو راضی ہو جائے۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ اے اللہ! تو نے حکم دیا میں نے نافرمانی کی۔ تو نے منع کیا میں نے اس کا ارتکاب کیا۔ مجھے اب مذر کا کوئی موقع نہیں ہے اور نہ کوئی اور قوی ہے کہ میں اس سے مدد چاہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں لا الہ الا اللہ اس طرح تین مرتبہ کہا اور وفات پائی۔

جب عبد الملک بن مروان پر احتضار کا وقت آیا تو اس نے اپنے لڑکے ابی بکر بن عبد اللہ انہوں نے اور ان کے والد نے قبل فتح مکہ ہجرت کی تھی بڑے جبارت گزار اور عالم ربانی تھے اور اس حضرت کی احادیث کو تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ۶۵ھ میں تمام معروفات پائی۔

۱۔ مشہور پانچویں اموی خلیفہ ہیں۔ علمائے حدیث نے ان کو ثقہ لکھا ہے۔ خلافت سے پہلے مدینہ کے عامل رہے ہیں اور فقہاء و ادرقاء مدینہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ بہت سے صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ ۶۰ سال کی عمر میں ۸۶ھ میں فوت ہوئے اور دمشق میں دفن ہوئے۔

کی طرف نظر کی جو اس کے اطراف دور ہے تھے اور یہ اشرار پڑھے : ہ

و مستخبر عنا یزید بنہ الردی

و مستخبرات والعیون سوا جم

(بہت سے ہماری خبر لو چھنے والے مرد اور عورتیں ہیں جو ہماری ہلاکت چاہتے ہیں درحالیکہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں)

(۴۱) آداب صوفیہ بوقت آفت و مصیبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وفتناک فتونا ۔

ہم نے آزمایا ہے تم کو اچھی طرح سے ۔

اس کے معنی بعض مفسرین یہ لیتے ہیں کہ ہم نے ان کو اچھی طرح پکایا یہاں تک کہ وہ پاک ہو گئے ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے ادیباً کے لئے بلا کا ذخیرہ کیا ہے جیسا کہ اپنے دوستوں کے لئے شہادت کا ذخیرہ کیا ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہم گروہ انبیاء لوگوں میں سب سے بڑھ کر مصیبت اٹھانے والے ہیں پھر ان میں جو افضل ہیں وہ بقدر اپنی فضیلت کے (مصیبت اٹھاتے ہیں) ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو نوجوان ہونے کے باوجود عابد ہو اور جو مصیبت زدہ ہو کر صابر ہو اور فقیر ہو کر خوش رہے ۔

لہذا ہر یہ حکایت اس موقع پر غیر فروری معلوم ہوتی ہے لیکن خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں دیندار لوگوں کے ساتھ ایک دنیا دار کی موت کی حالت کا نقشہ بھی بتانا تھا اس لیے شیخ نے اس کا ذکر کر دیا ۔ ”وبضد هاتئبتین الاشیاء“

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی خبر گیری کرتا ہے جیسا کہ کوئی شفیق باپ اپنے لڑکے کی خبر گیری کرے۔
اور اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ بتقراری کو ترک کرے۔ کسی سے شکایت نہ کرے اور بلا کے غم کو ملحوظ رکھے۔

صابروں کے لیے جو اجر خدا نے مہیا کیا ہے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:
اتما یوفی الصابرون اجرهم صبر کرنے والوں کو اس کا اجر بے حساب بغیر حساب۔ دیا جائے گا۔

جس نے بلا کو مستلک کرنے والے کی طرف سے دیکھا تو اس کے دیدار کی وجہ سے اس کو بلا کی تلخی اور سختی محسوس نہیں ہونے پائے گی۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

واصبر لحکم ربک فانک باعینا۔ صبر کر اللہ کے حکم کے لئے کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

دیکھو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زمان مصر کس طرح اپنے انگلیوں کے زخم کی تکلیف بھول گئیں اور ان کو اس کی اس وقت خبر ہوئی جب آپ ان کے سامنے سے چلے گئے۔

خداے تعالیٰ نے فرمایا:

فلما رایٰہ اکبرنہ و قطعن ایدییہن و قلن حاش للہ ما ہذا بئشراً۔ جب انہوں نے اس کو دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنی انگلیوں کو کاٹ لیا اور کہہ اٹھیں تو بے توبہ یہ تو انسان نہیں۔

بعض آوارہ لوگوں سے پوچھا گیا کہ مار توڑ تم پر کب آسان ہوتی ہے تو انہوں نے کہا کہ جب ہم اپنے محبوب کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں تو اس وقت بلا ہمارے لئے عیش اور جفا ہمارے لیے، وفا اور محنت ہمارے لئے نعمت ہو جاتی ہے۔
مجنون عامریؒ کے اشعار ہیں:

”ممشور عالم دلی“ کا شیعہ نثری ہے جس کو قیس عامری بھی کہتے ہیں۔

ومن اجل لیلی افجع القلب والحشا

ومن اجل لیلی قلبی الی مکانیا

دیلی کی وجہ سے میرا دل و جگر درد مند ہو گیا اور لیلی کی وجہ سے انہوں نے
میری جگہ کو نزدیک کر دیا)

ومن اجل لیلی رقل القوم من منی

ینضج دمائی حبذا کنت جانیسا

دیلی کی وجہ سے وہ لوگ منی سے چلے گئے تاکہ میرا خون بہائیں۔ بہت اچھا
ہوتا اگر میں گنہگار ہوتا)

ومن اجلہا سمیت مجنون عامری

فدتہا من المکروہ نفسی و مالیسا

میں لیلی کی وجہ سے مجنون عامری کے نام سے موسوم ہوا۔ میری جان اور میرا
مال اس کی مصیبت میں فدا ہو جائے)

ایضاً

فلولاک یا لیلی لما جئت طارقا

ادور علی الابواب بالذل ساضیا

اے لیلی اگر تو نہ ہوتی تو میں رات کے وقت لوگوں کے دروازوں پر
گھومتا ذلت اٹھاتا ہوا نہ آتا۔)

ایضاً

تداویت من لیلی بلیلی وجہا

کما یتداوی شراب الخمر یا الخمر

میں لیلی کے (ظلم و جفا کا) لیلی ہی سے علاج کرتا ہوں۔ جیسا کہ شراب
پینے والا شراب سے اپنا علاج کرتا ہے)

ابوالفیض (ذوالنون مصری) عفا اللہ عنہ وغفرلہ (خدا انہیں معاف کرے اور

مغفرت فرمائے، کے اشعار ہیں :۔

وقف الهوى بى حىث انت فليس لى

مناخر عند و لا تمتعتم

(محبت نے مجھ کو ایسی جگہ ٹھہرایا ہے کہ میں اس سے پیچھے ہٹ سکتا ہوں
اور نہ آگے بڑھ سکتا ہوں)

ان الملامۃ فى هواك تفيدنى

حتا لذكرك فيلمنى اللوم

(ذیرے عشق میں ملامت محبت کی وجہ سے تیری یاد کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔
پس ملامت کہ جس قدر چاہیں مجھے ملامت کر لیں)

اشبهت اعدائى فصورۃ احبهم

اذا كان حظى منك حظى منهم

(تو میرے دشمنوں کے مشابہ ہو گیا ہے (تکلیف دینے میں) اس وجہ سے
میں اپنے دشمنوں سے محبت کرنے لگا ہوں۔ کیونکہ تیرا جو سلوک مجھ سے ہے
وہی ان کا سلوک میرے ساتھ ہے)

واهنتنى فاهنت نفسى عامدا

يامن يهان عليك ممن بكرم

(تو نے مجھ کو ذلیل و خوار کر دیا تو میں نے بھی اپنے نفس کو عمدہ ذلیل و خوار کر دیا
اے وہ شخص جس کے پاس معزز بھی ذلیل ہو جاتے ہیں)

لے غالب کا یہ شعر اسی کے ہم مضمون ہے :۔

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی نبرد عشق میں زخمی

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

دیکھوان لوگوں پر مصیبت کس قدر آسان ہو جاتی ہے جب کہ وہ اپنے محبوب کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس مصیبت سے وہ لذت یاب ہوتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ یہی حالت اس شخص کی ہے جو اپنے دعویٰ میں سچا اور اپنی مصیبت کی حقیقت کو سمجھتا ہو۔ اس کو زمانہ کا تغیر متاثر نہیں کر سکتا اور مصیبتوں اور ملامتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے :-

ذُلُّ الْفَقَى فِي الْحُبِّ مَكْرُمَةٌ

وَحُضُوعُهُ لِحَبِيبِهِ شَرَفٌ

د انسان کی ذلت محبت میں عزت ہے اور اس کا اپنے دوست کے لیے جھک جانا شرف ہے)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ سے کہا گیا کہ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ فقر ان کو غما سے زیادہ پسند ہے اور بیماری تندرستی سے زیادہ مرغوب ہے آپ نے ارشاد فرمایا: ”ابو ذرؓ پر اللہ رحم کرے لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے جو حالت بھی پسند فرمائے اگر اس پر بندہ توکل کرے تو وہ پھر کسی دوسری حالت کو اپنے لیے پسند نہیں کرے گا۔“

حکایت ہے کہ ایک جماعت حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جبکہ وہ چیل خانہ میں مقید تھے، آئی، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھ کر پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے دوست ہیں۔ یہ سن کر اُن کو حضرت شبلیؒ پتھروں سے مارنے لگے۔ جب انہوں نے بھاگنا شروع کیا تو حضرت شبلیؒ نے کہا: ادھوٹے لوگو! تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور میری مار پر صبر نہیں کر سکتے، مجھ سے دُور رہو۔

اور ان کے آداب میں سے ہے کہ وہ (نخواہ خواہ) مرنے کی شکل نہیں بناتے

ابو ذرؓ: جثرب بن جنادہ، مشہور صحابی ہیں۔ قبیلہ غفار سے ان کا تعلق ہے۔ کہ میں اسلام لائے۔ ان کے بڑے مناقب ہیں۔ ۳۱ھ میں قوت ہوئے۔

نیز فرمایا ہے:

ولنبلدکم حتی نعلم المجاہدین ہم آزمائیں گے تم کو یہاں تک کہ معلوم
منکہ والصابرین۔ کر لیں گے تم میں کون مجاہدین ہیں اور
کون صابرین۔

مصیبت انسان کے لیے بمنزلہ دباغ کے ہے جس سے انسان کی رعوتیں نکل جاتی ہیں اور اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ اس سے استفادہ ممکن ہو جاتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بلا عارفین کا چراغ ہے اور مریدین کی بیداری اور غفلتوں کی ہلاکت۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ جب کبھی آپ پر کوئی مصیبت آئی یہ کہا کرتے تھے ”اے اللہ! اس کو میرے لیے باعثِ ادب بنا اور اس کو (موجب) غضب نہ کر“ اور بلا کبھی اللہ کی طرف سے پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے اور کبھی تادیب کے لیے ہوتی ہے اور کبھی سزا اور رسوائی کے لئے۔

حیرتی نے کہا ہے کہ بلائیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ غافلوں پر انتقام اور عقوبت کے لئے اور گنہگاروں کو ان کے گناہوں سے پاک کرنے کے لئے اور انبیاء اور صدیقوں کو ان کے اختیار کی جوئی سچائی کے لیے۔

صوفیہ کے آداب اور سیرت سے واقفیت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ان کے حکایات (حالات) معلوم ہوں۔

لہ دباغت دینے والا چمڑے کو قماش کرنے والا۔

لے جعفر بن محمد بن علی الشہید الحسین بن علی بن ابی طالب الهاشمی الامام ابو عبد اللہ العلوی المدنی الصادق۔

آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۸ھ میں وفات پائی۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں پایا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)

لے یعنی جن چیز کو انہوں نے اپنے لیے اختیار کیا ہے اس میں وہ کس قدر سچے ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حکایات سے مریدین کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے
تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کے قلوب کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ پوچھا گیا کہ اس پر کتاب اللہ
سے کوئی دلیل لائی جاسکتی ہے؟ جواب دیا: ہاں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ
الرُّسُلِ مَا ثَبَّتَ بِهِ فَوَادَكَ
رُسُلُوں کی ساری خبروں کو ہم تم سے
بیان کرتے ہیں تاکہ تمہارے دل کو
ثبات (و تقویت) حاصل ہو۔

(۴۲)

رخصتوں کے آداب کا بیان

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ
اس کی رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے جیسا کہ اس کے فرائض کو ادا کیا جائے۔“

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا
کہ ہم نماز میں کیوں قصر کریں جب کہ ہم امن کی حالت میں ہو گئے ہیں۔ آپ نے ارشاد
فرمایا کہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے ہم کو دیا ہے تو اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

رخصت مریدین میں سے مبتدی کے لیے پن گھٹ ہے جس پر وہ پہنچتا ہے اور
متوسط وہاں آرام لیتا ہے اور عارف اس سے جلد گزر جاتا ہے اور محقق اس کو اپنا وطن
نہیں بتاتا کیونکہ وہ ایک وسیع وادی ہے جس میں بہت سی آفتیں ہیں بجز اس کے
کہ وہاں سے مجبوراً گزر جانے کی نیت ہو (ایسی صورت میں رخصت سے فائدہ
اٹھایا جاسکتا ہے)۔

اگر محفوظ چھاگاہ کے قریب جانور چرنے لگیں تو اندیشہ ہے کہ اس میں شرماگریں۔

لہ رخصت کے معنی امور جائز کے ہیں جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار مکلف کو دیا گیا ہو۔ عینیت
فرض کو کہتے ہیں جس کا کارنامہ ضروری و لازمی ہو۔

ہاں اللہ کی محفوظ چراگا ہیں اس کے محارم (وہ چیزیں جس کو اس نے حرام کیا ہے) ہیں جو درجہ حقیقت سے گر جائے وہ رخصتوں میں پڑنا ہے اور رخصتوں (کے درجہ سے گر جائے تو وہ گمراہی اور جہالت میں گر پڑتا ہے۔

رخصت صوفیہ کے مذہب میں حقیقت علم سے ظاہر کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ ان کی حالت کا نقص ہے۔

بعض مشایخ سے فقیہ کی بے ادبی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ درجہ حقیقت سے ظاہر کی طرف انحطاط کا نام ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا کہ عارفین کی ریاء مریدین کی اخلاص سے بہتر ہے۔

ان سے مقررین کے گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ نیکوں کی نیکیاں مقررین کی برائیاں ہیں۔

حضرت بنیدرجۃ الدعلیبر کو وصال کے بعد خواب میں دیکھ کر بعض لوگوں نے ان سے پوچھا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟" کہا کہ مجھے ایک بات پر سرنش

ملہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف کامل کو بعض اذات مریدین کی تعلیم کے لئے کوئی عمل کرنا پڑتا ہے۔ مقصود افادہ و استفادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کو ریاء کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس نفع عمومی کے لحاظ سے اس عمل سے جو انفرادی اور ذاتی حیثیت سے کیا جائے۔ موقوف ہی سے کیوں نہ ہو زیادہ بہتر ہے۔

ملہ سلوک میں سالک کے جس قدر مدارج بڑھتے ہیں نیچے کی حالت پست اور کمتر نظر آتی ہے اور وہ ان کے پاس مثل برائی کے ہے۔ اس کی تشریح بعد کے اقوال اور حالات سے مزید ہوگی اس موقع پر شنیو شریعت کی حکایت موسلی اور چرواہے کو پیش نظر رکھنا چاہئے جس میں مولانا نے کہا ہے کہ :

در حق او مدح و در حق تو ذم

در حق او شہد و در حق تو سم

فرمائی گئی جو میرے منہ سے نکل گئی تھی اور یہ کہ ایک سال پانی نہیں برسا۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو پانی کی بڑی ضرورت ہے تو فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتا ہوں کہ لوگ پانی کے محتاج ہیں، تو مجھ کو سکھاتا ہے حالانکہ میں علیم وخبیر ہوں۔ جا میں نے تجھ کو بخش دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ سے کہا گیا کہ اہل صفہ میں سے فلاں شخص فوت ہو گیا اور ان کے پاس دو دینار یا دو درہم نکلے۔ آپ نے فرمایا: یہ دو ذلتیں ہیں۔ تم لوگ اپنے ساتھی کی (نماز جنازہ) پڑھ لو!

یہ امر صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو بعد وفات بہت کچھ مال و دولت چھوڑ جاتے تھے لیکن آپ نے ان پر اعتراض کیا۔ لیکن اس شخص پر اس وجہ سے اظہار ناراضی فرمایا کہ اس کا دعویٰ اس کے مننے کے مخالف پایا گیا۔

دیکھ نماز طاعت و عبادت ہے لیکن اس کے لئے جو محدث نہ ہو اور تہران کی قرأت قربت ہے۔ لیکن اس کے لیے جو ناپاک نہ ہو اگر کسی شخص نے بحالت حدث نماز پڑھی یا بحالت جناب قرآن کی تلاوت کی تو وہ مستحق غضب و عقوبت ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص کسی قوم سے تشبہ اختیار کرے تو وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ یہاں تشبہ سے مراد سیرت میں مشابہ ہونا ہے نہ کہ لباس میں۔

کیونکہ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے سامنے اپنی

یعنی خود نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ دوسروں کو نماز پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا یہ بتانے کے لیے اس روایت کو لایا گیا ہے کہ دو دینار یا دو درہم کا رکھنا شرعاً ناجائز نہیں تھا لیکن اصحاب صفہ کے لیے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کیونکہ اس گروہ میں وہ لوگ داخل ہوتے تھے جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا اور اس بنا پر ان کا تکفل اور اعانت کی جاتی تھی۔ غالباً یہی وہ آپ کی ناراضگی کی وجہ ہے۔

حسنات الابرار، سیئات المقربین کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔

باتوں اور لباس سے کراستہ ہو کر آئے اور اس کے اعمال اس کے مخالفت ہوں تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔

پھر رخصتوں کے متعلق صوفیہ کے آداب و اخلاق ہیں جن کو رخصت پر عمل کر نیوالے کو جاننا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے تاکہ وہ ان کے طریقہ پر کار بند اور ان کے آداب و اخلاق سے مزین ہو یہاں تک کہ محققین کے مقامات اور احوال کو حاصل کرے۔ ان کی رخصتوں کے منجملہ ایک یہ ہے کہ انھوں نے کسی صنعت کے سیکھنے اور اس کی اجرت سے استفادہ کرنے کو جائز رکھا ہے۔

اور اس بارہ میں ان کا ادب یہ ہے کہ ایسی صنعت کو حاصل کرے جس میں ان کے نفس کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ وہ اس کو اپنی مصالح (ضرورتوں) پر خرچ کرے اور ایک سال سے زیادہ کا خرچ اپنے اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لیے نہ رکھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی نصیر کی آمد فی اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص فرمادی تھی کیونکہ مسلمانوں کے سوار یا سپاہی (فوج) نے اس کو فتح نہیں کیا تھا جس میں سے آپ اپنے اہل و عیال کا ایک سال کا خرچ نکال کر مالکی کو جہاد کے لئے سوار یوں کی فراہمی اور ساز و سامان کی تیاری میں صرف فرماتے تھے۔

منجملہ اس کے یہ ہے کہ کسی کسب میں مشغول ہو۔ اگر اہل و عیال رکھتا ہو اور والدین اس کے زیر پرورش ہوں تو اس بارے میں ان کے آداب یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض کو ان کے مخصوص اوقات میں لازم کیا ہے، ان کے ادا کرنے میں کسی قسم کی بے توجہی نہ کرے اور اس کو صرف اپنے پیٹ بھرنے کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ اس سے مسلمانوں کی معادنت مقصود سمجھے اور اس میں اپنے اوقات کا اکثر حصہ

ملہ خواجہ صاحب اس مقدمہ پر تحریر فرماتے ہیں جو شخص صوفیوں کا لباس پہننے اور ان کی سی باتیں بانی کرنے لگے لیکن اس میں نہ ان کا عمل ہو اور نہ ان کا حال تو وہ بھی اسی کا مصداق بنے گا۔

صرف نہ کرے بلکہ کوشش کرے کہ اس کے اوقات کسب دن نکلنے کے بعد سے آخر وقت نظر تک رہیں۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور آئندہ دن کے صبح ہم اسی میں مشغول رہے اور جو کچھ اپنے نفقہ سے بچ رہے وہ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں پر خرچ کرنے کو ترجیح دے۔

منجملہ خصصوں کے سوال بھی ہے اور اس کے آداب یہ ہیں۔ بہ وقت حاجت سوال کرے اور جس قدر متعلقین کی ضرورت ہے اس پر کفایت کرے اور (اپنی) اکبر کو اس شخص کے لیے خرچ نہ کرے جس پر اس کا رد کرنا آسان ہو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم اگر سوال کرو تو نیک بندوں سے سوال کرو اور سوال کرنے میں نرمی اختیار کرو بغیر اپنے آپ کو ذلیل کئے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس فقیر پر لعنت بھیجے جو مالدار کی تواضع اس کے مال کی خاطر کرتا ہے۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ اشعار مروی ہیں: ۛ

لا تخضعن لمخلوق علی طمع

فان ذلک وھن منك فی الدین

(لاپای کی خاطر کسی مخلوق کے سامنے نہ جھکے کیونکہ یہ دین میں تیری جانب سے ضعف پیدا کرتا ہے)

واستغن بالله عن دنیا الملوک کما

استغن الملوک بدیناھم عن الدین

(دنیا کے بادشاہوں سے اللہ کے ذریعہ استغنا حاصل کر جس طرح کہ بادشاہوں نے اپنی دنیا کی خاطر دین سے بے پروائی اختیار کی۔)

یعنی ایسے شخص سے سوال نہ کرے جو آسانی سے اس کے سوال کو رد کر دے کہ اکبر و ریزی بھی ہوئی اور مقصد سوال بھی پورا نہ ہوا۔

واستوزق الله ما في خزائينه

فان ذلك بين المكاف والنون

واللہ کے پاس اس کے خزانوں سے روزی طلب کر کیونکہ وہ کاف اور نون

کے درمیان ہے یعنی لفظ 'کن' سے پوری ہو سکتی ہے۔

جو کچھ اس کو سوال سے ملے، اس کو اپنے پاس نہ رکھے بلکہ اپنے اہل و عیال کو دے دے تاکہ اس کا دل ان کے فکر سے فارغ ہو جائے اور اس کو اسراف سے نہ خرچ کرے اور سوال کو اپنی عادت نہ بنائے اور نہ (مقدار) معین کر کے مانگے۔

منجملہ شخصت اللہ پر بھروسہ کر کے قرض لینا ہے اور اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ یہ قرض اپنے بھائیوں کی ضرورت اور ان کے اخراجات کے لئے ہو اور اس کو بروقت ادا کرنے کا خیال رکھے۔

اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا: "جو شخص قرض لے اور اس کی نیت ادا کرنے کی ہو اور وہ مر جائے اور اس کے پاس ادائی کے لئے کوئی جائداد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قرض خواہوں کا چلنا کرے گا۔"

منجملہ شخصتوں کے سفر میں توشہ رکھنا ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ اگر سفر میں ساتھی ہو اور اس کو اس کی ضرورت ہو تو اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں منادی کرائی کہ جس کے پاس فاضل توشہ ہو تو وہ اس کو جس کے پاس توشہ نہ ہو دے دے جس کے پاس فاضل سواری ہو تو وہ اس کو جس کے پاس سواری نہ ہو دے دے۔ اس طرح کئی اقسام کی چیزوں کا اس قدر ذکر فرمایا کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ جو کچھ ہمارے ہاتھ میں زائد از ضرورت ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔

منجملہ اس کے دوسرے کی جانب سے اجرت لے کر حج کرتا ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے ایسا نہ کرے اور اسی سے اپنے آنے جانے کا خرچہ ادا کرے۔ لیکن نہ کسی سے سوال کرے اور نہ اوقات سے کچھ لے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مرے ہوئے شخص کی جانب سے حج کیا تو مرے ہوئے شخص کو حج کا ثواب ملے گا اور حج کرنے والے کو دو درجہ سے بڑا پت ملے گی۔

منجملہ اس کے سفر کرنا ہے شہروں میں پھرنے کے لئے اور اس کا ادب یہ ہے کہ ایسے سفر سے اس کا مقصد اپنے کسی بھائی کی زیارت یا کسی حق کا ادا کرنا ہو یا طلب علم ہو اور وہ سفر سے اپنے مقصد کو پورا کرے۔

منجملہ اس کے سماع میں اٹھ کھڑے ہونا اور حرکت کرنا ہے۔ اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ اگر وقت محدود ہو تو وہ مداخلت اور مزاحمت کو ترک کرے ورنہ برسبیل مساعدت و نشاط خاطر و خوش وقتی بغیر سکون و اطمینان کے جائز ہے۔

منجملہ اس کے مزاج ہے اور اس کے آداب یہ ہیں کہ اس میں جھوٹ، غیبت اور مہمہ پڑانا، مسخر دین اور دوسرے کو بنانا نہ ہو اور نہ مروت کے خلاف کوئی حرکت ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سچے مذاق کرنے والے کے بارے میں مواخذہ نہیں کرے گا۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے اگر کوئی معصوم ہوتا تو اس سے دل لگی کی بات کر کے اس کو خوش کر دیتے تھے۔

زیادہ مذاق خاص کر وہ بہرہ والے اشخاص کے لئے مکروہ ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ تم شریف آدمی سے مذاق نہ کرو ورنہ وہ اپنے دل میں کینہ پکڑے گا اور کینہ سے اس لئے نہ کرو کہ وہ تم پر جرمی ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ اپنے اصحاب کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھتے تھے۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ وہ مذاق کر رہے ہوں اور آپ کے متوجہ ہونے سے وہ پریشان ہو جائیں۔

آپ کے ایک صحابی کی آنکھ میں کثوب آ گیا تھا اور وہ کھجور کھا رہے تھے۔ آپ نے

فرمایا: ”تم کجور کھا رہے ہو اور تم کھاری آنکھ میں آشوب ہے۔“ انہوں نے کہا کہ ”ہیں اس جانب سے کھا رہا ہوں جس طرف آشوب نہیں ہے۔“ تو آپ ہنس پڑے۔

منجملہ ان کے ایسے علوم کا اظہار ہے جن کے استعمال کے متعلق کوئی روایت نہ پہنچی ہو اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس میں فائدہ پہنچانے اور نصیحت و ارشاد کو پیش نظر رکھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس شخص کو اللہ سرسبز رکھے جس نے میری بات کو سنا اور یاد رکھا، پھر اس کو دوسروں تک اسی طرح پہنچایا جیسا کہ سنا تھا کیونکہ بہت سے فقہ (سمجھ) کی بات سنتے ہیں لیکن وہ فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے لوگ فتنہ کی بات کو اس شخص تک پہنچانے والے ہوتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔“

منجملہ اس کے پیوند لگے ہوئے کپڑے معمولاً پہننا ہے اور ان میں ان کے آداب یہ ہیں کہ شہرت سے دور رہے اور اپنے اوقات کے اکثر حصہ کو ان میں مشغول ہو کر ضائع نہ کرے اور ان کو لپیٹ کر رکھنے اور بجانے میں حد سے تجاوز نہ کرے کیونکہ یہ بغیر کسی دینی اور دنیوی فائدہ کے وقت خراب کرنا ہے۔

مشایخ کرام اگر کسی فقیہ کو اپنے پیوند لگے ہوئے کپڑے اور لباس کی تزئین میں تجاوز کرتا ہوا پاتے تھے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جب انہوں نے باطن کو سدھارنا اور فائدہ پہنچانا چھوڑ دیا تو ظاہر کی تزئین و آرائش کی جانب مشغول ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس آنے والے لوگوں میں سے بعض کو پچھلے پرانے کپڑے پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ”کیا تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ”ہے“ تو ارشاد فرمایا: لباس بناؤ اور اس میں توسط کو اختیار کرو۔

منجملہ اس کے ملاقات کے وقت گلے لگانا ہے اور ایک دوسرے معانقہ کے آداب کو بوسہ دینا ہے اور اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ یہ چیز ان کے ساتھ ہونی چاہئے جو ان کے ہمسر اور ہم مجلس ہوں اور جن سے ان کو انسیت ہو۔

حضرت شہینہ بنت تیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے مجھ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بعض راستوں میں ملے اور معاف فرمایا اور مجھ کو بوسہ دیا۔
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافہ کی اصلیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ”وہ محبت کو ثابت کرتا ہے“

منجملہ اس کے حُبِ ریاست ہے اور اس بارے میں ان کے آداب یہ ہیں کہ انسان اپنی ریاست کو سچا لے اور اس کے حدود کی حفاظت کرے اور اپنی لیاقت سے زیادہ کی تمنا نہ کرے اور اپنے مرتبہ سے نیچے نہ اترے۔
کیونکہ کہا گیا ہے کہ عقلمند کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی لیاقت سے زیادہ اونچا نہ کرے اور نہ اپنے درجہ کو گرا دے۔

نیز کہا گیا ہے کہ کسی جاہل کا اونچا ہونا وہی قدر وقیمت رکھتا ہے جیسا کہ کسی دار پر چڑھ لے ہوئے شخص کا اونچا ہونا۔

کہا گیا ہے کہ جاہل کے لئے گمنامی شہرت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ گمنامی سے اس کے معائب پوشیدہ رہیں گے اور شہرت سے ان کا افشا ہوگا اور ایسی چیز نہ طلب کئے جو اس کو نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اس سے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔
کہا گیا ہے کہ جو اپنی قدر و منزلت پر اکتفا کرے تو وہ اپنے چہرہ کی خوب صورتی کو باقی رکھے گا۔

بعض مشایخ نے کہا ہے کہ اخیر آفت جو صدیقیوں کے دل سے بھٹکے گی وہ لیاقت کی

لے ان کا نام مالک ہے۔ یہ جاہلیت کے زمانہ میں ہی تبوں کی پرستش ناپسند کرتے تھے۔ انصار میں جن لوگوں نے آلِ حضرت سے مکہ میں ملاقات کی ان میں سب سے پہلے اسلام لائے ان شتر آدمیوں میں سے ایک تھے جو بیعت عقبہ میں شریک رہے، بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ اسی حضرت کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہوئے۔
لے یعنی اکبر و کو باقی رکھا اور ذلیل نہیں ہوا۔

محبت ہے۔

منجملہ اس کے سلاطین کے پاس تقرب اور ان کے پاس آمد و رفت رکھنا ہے اور اس کا ادب یہ ہے نہ وہ تعریف کرنے والوں کی تعریف پر مطمئن ہو جائے نہ ان کی باتوں پر دھوکا کھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی خدمت فرمائی ہے جو ایسی بات پر اپنی تعریف چاہتے ہیں جس کو انہوں نے نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا:

يحبون ان يحمدا و بما لم
يفعلوا فلا تحسبنهم بمفازة
من العذاب -
وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ایسی
بات پر کی جائے جس کو انہوں نے
نہیں کیا پس تم ان کو عذاب سے بچنے والا

نہ خیال کرو۔

اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی نہ کئے ہوئے کام کی تعریف کا
خواہاں ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگا بجز اس کے کہ اس کو ڈرایا گیا ہے اور وہ اس موقع پر کہے:

اللهم اجعلني خيرا مما يظنون
واغفر لي مما لا يعلمون ولا
تواخذني بما يقولون -
اے اللہ مجھ کو تو اس سے اچھا بنا
جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں اور مجھ کو
معاف کر اس سے جس کو وہ نہیں جانتے

اور مجھ سے مواخذہ نہ کر اس کی بابت جو

وہ کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تعریف کر نیوالے
سے اپنی تعریف سن کر ارشاد فرمایا: میں اس سے کم ہوں جو تم نے ظاہر کیا اور اس سے
زیادہ ہوں جس کو تم نے اپنے دل میں چھپا رکھا ہے۔

اور منجملہ اس کے کمینوں کو ان کے اسلاف کے بابت عار دلانا ہے جب کہ وہ
ان پر فخر کریں اور اس میں ادب یہ ہے کہ ان کی بے ادبی کے مقابلہ میں یہ بات ہونی چاہیے

لے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بیجا فخر کرے مگر اور بے ادبی کا اظہار کرے تو انا تائید و کفایت اصل حقیقت سے
اس کو مطلع کرنا چاہئے۔

اور تعریفاً ہو نہ تبصریحاً۔

روایت ہے کہ یہودی ایک جماعت، اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور (اپنی باتوں سے) آپ کو اذیت دینے اور آپ کے دین کی منقصت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت آوری :

”قل هل انبئکم بشر من ذالک مشوبة عند الله من لعنة الله“ الآیۃ

پھر آپ نے ان کو یا اخوان القردة (بندروں کے بھائی) کہا۔

منجملہ اس کے طاعات و عبادات کا اظہار ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ اس کا اظہار اس لئے ہو کہ مرید اس سے تربیت حاصل کرے اور مبتدی اس کی پیروی کرے اور اس میں وہ مخلوق کے قبول و رد پر التفات نہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کو پکار کر پڑھنا چاہئے یا آہستہ۔ تو آپ نے فرمایا : ”ان تبدوا الصدقات فنعمنا ہی“ (آیت) میں کہتا ہوں کہ یہ فضائل اور نوافل کے بارے میں ہے۔ لیکن فرائض کے متعلق اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان کا اظہار ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”قرآن کو پکار کر پڑھنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ تبا کر صدقہ دینے والا اور قرآن کو آہستہ پڑھنے والا چھپا کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے۔“

منجملہ اس کے سیر و تفریح کے لیے باہر نکلنا ہے اس کا ادب یہ ہے کہ وہ کسی غاریا و آدمی یا موضع میں خلوت کی جگہ اختیار کرے جو اقسام کی بُری باتوں سے خالی ہو تاکہ وہاں رہنے سے وہ چیزیں پیدا نہ ہوں جن کے ازالہ کی اس کو طاقت نہ ہو اگر وہ ایسی بُری جگہوں میں اقامت اختیار کرے تو ان لوگوں سے جو برائیوں میں مبتلا ہیں مشابہ ہو جائے گا۔

لے اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو اچھا ہی ہے۔

لے فضیلتہ کی صحیح فضائل مراد اس سے جو فرائض سے فاضل یعنی زائد ہو۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبزہ اور آبِ رواں کو دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ منجملہ اس کے لہو و لب کو دیکھنا ہے اور ان میں اس کا ادب یہ ہے کہ حرام اور ممنوع چیزوں سے احتیاط کرے جس چیز کا کرنا حرام ہے اس کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”حبشی کھیل رہے تھے اور میں انہیں اپنے چہرہ کے دروازے سے دیکھ رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اپنی چادر سے چھپا رہے تھے۔ حبشی وہاں سے واپس نہیں ہوئے یہاں تک کہ میں خود واپس ہو گئی۔“

منجملہ اس کے ایسی مجلس میں آنا جہاں دل بہلائی کی باتوں میں دُک مسروف ہوں اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ وہ غیبت اور بُری باتوں کو سننے سے احتیاط کرتے ہیں جابر بن عمرو سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی سو مرتبہ بیٹھا ہوں گا۔ آپ کے اصحاب اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے حالات بیان کرتے اور آپ خاموش بیٹھے رہتے۔ اور کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے۔ منجملہ اس کے اچھے کھانوں کا کھانا ہے اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ اس کی عادت نہ ڈالی جائے بلکہ یہ فاقہ رکھنے کے بعد ہویا اس کے بعد ریاضت کی جائے تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثریب پسند تھا۔ نیز روایت ہے کہ آپ خوشبو اور میٹھے کو پسند فرماتے تھے اور اس کو رد نہ فرماتے بلکہ کچھ نہ کچھ لے لیتے تھے۔

لہ جابر بن سمر مضافی ہیں۔ اُن حضرت سے اور اکابر صحابہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ کوفہ میں بود و باش اختیار کی تھی۔ عبدالملک بن مروان کی خلافت کے زمانہ میں ۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔ لہ ثریب ایک غذا ہے جو روٹی کو شوربے میں چور کر پکائی جاتی ہے۔ غالباً آج کل کی حلیم یا ستمریوں کی طرح ہوگی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس خوشبو پیش کی جائے تو اس کو رد کرے بلکہ اس میں کچھ لے کر لگائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھاؤ کہ وہ خوشگوار اور ذائقہ دار ہوتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا: ”اہل جنت اور اہل دنیا کا بہترین کھانا گوشت ہے۔“ منجملہ اس کے کھانے کے لئے کپڑوں کا رہن کرنا ہے اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت ہو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذرہ چند سیر بخاک کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن کی تھی۔

منجملہ اس کے ذلت اور جورو جفا اور اذیت سے بھاگنا اور اس میں ادب یہ ہے کہ اپنے لینے کی سلامتی اور دشمنی سے بچاؤ مقصود ہو۔

بعض مشایخ نے کہا ہے کہ جس چیز کی طاقت (برداشت) نہ ہو اس سے بھاگنا پیغمبروں کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی زبانی بیان فرمایا: ففدرت منک لئلا خفتکھ (تم سے جب مجھ کو خوف معلوم ہوا تو میں بھاگ نکلا) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اپنے نفس پر سب سے بڑا عالم وہ ہے جو ایسے شخص کی تواضع کرے جو اس کی عزت نہ کڑتا ہو اور ایسے شخص کی محبت کی رغبت کرے جو اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچاتا اور ایسے شخص کی تعریف کو قبول کرے جو اس کو نہیں جانتا۔

لے سینہ کی سلامتی سے غالباً یہ مراد ہے کہ جو شخص اذیت دے اس سے بُرائی اور کینہ پیدا نہ ہو اور بشریت دل کو اس کی دشمنی پر مائل نہ کرے۔

لے محمد بن ادیس آپ کا نام ہے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ اکابر تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ فقہ شافعی کے بانی اور امام ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔"

منجملہ اس کے اپنے دوستوں کے گھر کشادہ پیشانی کے ساتھ جانے اور بغیر ان کی استدعا کے ان کی طرف توجہ کرے اور اس میں ادب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ خصوصیت رکھے جو اس سے خوش ہوتے ہوں اور اس مقام کو پہچانے جہاں اس کو تعظیم و اکرام کرنی چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ہشتم بن القیہانؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے کھجور اور دودھ سے تواضع کی۔ سب نے کھایا پیا اور حضورؐ نے کہا کہ یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کی نسبت تم سے پوچھا جائے گا۔

منجملہ اس کے اپنے بھائیوں پر عتاب کرنا ہے اور اس میں ادب یہ ہے کہ اس سے مقصود اس چیز کو دور کرنا ہو جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہو نہ کہ عیب جوئی بلکہ دل کو کینہ کیپٹ سے پاک کرنا اور اگر دوست عذر پیش کرے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے۔
کہا گیا ہے: ۷

اقبل معاذیر من یاتیک معتذرا

ان برعندک فیما قال او فحوا

(جو شخص تیرے پاس معذرت پیش کرے اس کے عذروں کو قبول کر، خواہ

وہ ان میں سچا ہو یا جھوٹا)

فقد اطاعت من ارضاک ظاہرہ

وقد اجلت من بعصیت مستترا

۱۔ اصل نسخہ میں لا تسئلون ہے لیکن تسئل عنہا ہونا چاہئے چنانچہ عوطی کی حدیث کا بھی یہی مفہوم

ہے۔ غالباً سو کہابت سے لفظ "لا" کھائی گیا ہے۔ آپ نے اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ثم

تسئلون یومئذ عن النعیجہ۔ (پھر تم سے پوچھا جائے گا اس دن اس نعمت

کے بارے میں)

کیونکہ اس شخص نے تیری اطاعت کی جس کے ظاہر نے تجھ کو رضا مند کیا اور اس شخص نے جس نے چھپ کر تیری نافرمانی کی تجھ کو بڑا اور قابل تعظیم سمجھا، کہا گیا ہے کہ بر ملا عتاب کرنا اس سے بہتر ہے کہ دل میں کینہ رکھا جائے۔

قبر مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے میں اور حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ کے پاس آئے جب کہ وہ غلینہ تھے۔ انہوں نے ثلوت (تہائی) چاہی۔ حضرت علیؑ نے مجھ کو اشارہ کیا تو میں ایک کونے میں ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؑ سے شکایت کرنے لگے اور حضرت علیؑ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر میں کچھ کہوں تو تم کو برا لگے گا اور میں تم کو ناخوش کرنا نہیں چاہتا۔

حکایت ہے کہ یحییٰ بن خالد نے عبد الملک بن صالح پر کسی امر کے متعلق جو ان کے درمیان پیش آیا تھا عتاب کیا اور باتوں باتوں میں کہا کہ تم بہت کینہ ور ہو۔ اُن کے جواب میں عبد الملک نے کہا کہ اگر کینہ تمہارے پاس یہ ہے کہ برائی یا بھلائی دل میں باقی رہے تو بے شک وہ مرے دل میں ہے۔ جب وہ دونوں آپس میں راضی ہو گئے اور عبد الملک اٹھ کھڑے ہوئے تو یحییٰ نے کہا کہ یہ شخص قریشی ہے اور میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے کینہ کو اپنی گفتگو سے اس سے اچھی صورت میں ظاہر کیا ہو حتیٰ کہ اس نے

لے قبر، حضرت علیؑ کے آواز کردہ غلام کا نام ہے۔

۳۔ امیر المومنین غلیف سوم آں حضرت کے داماد، آں حضرت کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دی گئیں۔ اس سلسلے ذوالنورین کہلائے۔ ۲۔ مت کو آپ نے ایک مصحف کی تلاوت پر جمع کیا۔ آپ کے زمانہ میں خراسان اور مغربی حاکم فتح ہوئے۔ آپ ۳۵ھ میں ۸۲ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

۴۔ جعفر برکی کے والد جو ہارون الرشید کے زمانہ میں قید میں ڈال دیئے گئے تھے اور قید ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

دوسرے کے بُرے پر اُسے کو دور کر دیا۔

منجملہ اس کے مذموم کی تعریف اور ممدوح کی مذمت اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ دونوں جانب (مذموم و ممدوح) حقیقات کے حدود کی حفاظت کی جائے اور ان میں اپنے نفس کی پیروی نہ کی جائے اور خواہشات کے مطابق گفتگو نہ کی جائے۔ روایت ہے کہ عرب کے سرداروں میں سے دو شخص مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی کی تعریف کی اور ان میں مبالغہ سے کام لیا۔ دوسرے نے اس کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا جس کو اس شخص نے محسوس کر کے اس کے معائب گناہ شروع کیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار ہوا اس پر اس نے کہا بخدا اے رسول اللہ! اگر میں پہلی بات میں سچا ہوں تو دوسری بات میں میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے اور انسان عمدہ صفات اور بُرے صفات سے خالی نہیں ہوتا اور جو شخص راضی ہو وہ معائب کو نہیں دیکھتا اور جو ناراض ہو وہ اچھی صفتوں پر نظر نہیں ڈالتا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے بیان میں جادو ہوتا ہے۔ منجملہ اس کے جو اس کا مستحق ہو اس سے دوری اختیار کرنا اور ان میں اس کا ادب یہ ہے کہ حق کا اظہار مقصود ہو اور باطل کو میٹ دینا پیش نظر رہے اور دشمنی محض اللہ کے لیے ہو۔

اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں سے دوری اختیار کی تھی کہ انہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی اور ان کے لوگوں کو ان سے دوری اختیار کرنے کے لیے ارشاد کیا اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے سے منع فرما دیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَقُوا حَتَّىٰ
اور ان تینوں پر جو پیچھے رہ گئے تھے

لہ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شخص نے کینہ کو جس بُرے پر یہ میں ظاہر کیا تھا اس کو اس نے بالکل بدل کر اچھی شکل میں ظاہر کیا۔

اذا ضاقت علیہم الارض بما
 من حبت وضاقت علیہم انفسہم -
 (کوئی مواخذہ نہیں ہے) یہاں تک
 ان پر زمین تنگ ہوئی باوجودیکہ وہ
 کشادہ ہے اور وہ جان سے بڑا
 (الایۃ)
 ہو گئے تھے۔

اور منجملہ اس کے پیوند زدہ کپڑے پہننے والوں کے کپڑوں کو پھاڑنا ہے اور اس
 میں ادب یہ ہے کہ ان لوگوں کی نمائش اور خیانت اور مکرو فریب کو دور کرنا مقصود ہو۔
 خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے؛

اتخذون ایماکم دخلا بینکم -
 کیا تم اپنی قسموں سے مکرو فریب
 دینا چاہتے ہو۔

اور منجملہ اس کے چھوٹی باتوں کو ایسے اشخاص سے دور کرنا ہے جو اپنے آپ کو
 شریف النسب اور اولاد علویہ سے ظاہر کریں پس واجب ہے کہ اس پر اعتراض کیا جائے
 اور اوعائے نسب اور اس کے فساد و عوی کا اظہار کیا جائے تاکہ جو لوگ اس کو نہ جانتے ہوں
 وہ دھوکا نہ کھائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو جسے ضرر پہنچانے اور مسلمانوں میں تفرقہ
 ڈالنے کے لئے بنایا گیا تھا منہدم کرنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا جب کہ بنانے کی
 نسبت ان کے قصد اور ارادے کا علم ہو گیا حالانکہ بظاہر وہ مسجد ہی تھی۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

لا تقم فیہ ابداً لمسجد
 اسس علی التقویٰ من اول
 یوم احق بہ ان تقوم فیہ - (الایۃ)
 آپان میں ہرگز نہ کھڑے ہوئی البتہ وہ
 مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی روز پرہیزگاری
 پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی مستحق
 ہے کہ آپ اس میں کھڑے رہیں۔

نیز آپ نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو قطع کرنے کے لئے حکم دیا۔ اس کے
 متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا؛

ما قطعتم من لينة أو تركتموها
قائمة على أصولها فبإذن الله
ولينحزمى الفاسقين -
جہن درختوں کو تم نے کاٹا یا ان کو ان
کی جڑوں پر باقی رکھا تو اللہ کے حکم سے
ہے اور اس لیے کہ بدکاروں کو رسوا

کیا جائے۔

منجملہ اس کے مصلحت کے وقت جھوٹ بولنے کی اجازت اور اس میں اس کا
ادب یہ ہے کہ اصلاح اور اظہارِ حق مطلوب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
قصہ میں فرمایا ہے:

بل فعلہ کبیرہم هذا - بلکہ اس کو ان کے بڑے نے کیا ہے۔

اور داؤد علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے:

انّ هذا اخي له تسع وتسعون
نعجة ولى نعمة واحدة -

یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ۹۹
دُونیاں ہیں اور میرے پاس ایک

بھی دینی ہے۔

حکایت ہے کہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک مرجی کے ساتھ ابو جعفر المنصور
کے پاس مناظرہ کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
ایک مرجی کو لایا گیا تو آپ نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مرجی نے کہا کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مذہب ارجاء کہاں تھا؟ حضرت جعفر نے کہا کہ جب
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ مذہب نہیں تھا تو تم یہ کہاں سے لائے ہو۔
مرجی نے کہا یہ حدیث جھوٹی ہے۔ اور تم نے رسول اللہ پر کیوں جھوٹ کا بہتان باندھا۔
کیونکہ آپ نے فرمایا ہے جو مجھ سے جھوٹ بات منسوب کرے تو اس کو اپنا ٹھکانا
دوزخ میں بنانا پڑے گا۔ اس پر حضرت جعفر نے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور داؤد

لے مرجی وہ جو مذہب ارجاء کا پیرو ہو۔ مذہب ارجاء یہ ہے کہ انسان جو چاہے کرے اللہ اس کو
بخش دے گا۔

علیہ السلام کے قصوں سے حجت پیش کی جس سے مرجی کو خاموش ہو جانا پڑا۔
منجملہ اس کے بڑھتی عورتوں سے ملنا اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ ان کی
زیارت سے اللہ کا تقرب مقصود ہو اور یہ طلب برکت و دعا کے لئے ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے اپنے ساتھیوں
سے کہا: ”چلو امّ ایمن کی زیارت کریں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فرمایا کرتے تھے۔“

منجملہ اس کے اپنائے دنیا اور رؤسا اور سلاطین کے ساتھ مختلف برتن اور ان
کے لئے اٹھ کھڑے ہونا اور ان کی طرف متوجہ ہونا اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ
دنیا طلبی کے لئے نہ ہو اور نہ ان کی دولت ملح نظر ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس قریش کے سردار آتے تھے آپ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور ان کا اچھی جگہ
بٹھاتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ جب کسی قوم کا معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو
اس کی عزت کرو۔

منجملہ اس کے مصیبت کے وقت رونا ہے اور اس بارے میں ان کا ادب
یہ ہے کہ پکار کر آواز سے نہ رویا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لڑکے
ابراہیم کی موت پر گریہ فرمایا اور کہا آنکھ رونی ہے اور دل غلگین ہے۔ لیکن ہم زبان سے

لے لیکن یہ روایت غور طلب ہے اس کی تشریح غور طلب ہے۔ اس کی تشریح خواجہ صاحب نے یہ
کی ہے۔ امام جعفر صادق نے مشروط طور پر کہا تھا کہ اگر مرجی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس لایا جاتا تو آپ اس کے قتل کا حکم دیتے نہ کہ واقعہ ایسا فرمایا۔

امّ ایمن: آں حضرت کی کھلائی ان کا نام برکت تھا جو آپ کے والد کی لڑکی تھیں جن کو آپ نے
آزاد کر دیا تھا اور ان کا نکاح عبید بن زید سے کر دیا تھا جن سے ایک لڑکی امین نام پیدا ہوئی۔
پھر زید بن حارثہ سے۔ ان کا نکاح ہوا جن سے اسامہ پیدا ہوئے۔ اُحد اور خندق میں حاضر تھیں اور
زنجیوں کی خدمت کرتی تھیں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

کوئی ایسی بات نہیں نکالتے جس سے پروردگار ناخوش ہو اور میں اسے ابراہیم ! تمہارے پیغمبر ہوں۔“

اور منجملہ اس کے کم عمر لوگوں کی صحبت اور لباس میں اس کا ادب وہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے (دیکھو باب آدابِ صحبت)۔

اور منجملہ اس کے خوشی کا اظہار ہے۔ اگرچہ دل کراہت کرتا ہو اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ اس میں اس کے شر سے سلامتی چاہنا مطلوب ہو نہ ریا اور نفاق۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت میں آپ کے پاس تھی آپ نے فرمایا: کیا بڑا ساتھی ہے۔ پھر آپ نے اس کو اجازت دی۔ جب وہ آیا تو آپ نے اس سے نرمی سے بات کی، مجھ کو تعجب ہوا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اس کی دیر پوچھی تو فرمایا: اے عائشہ! وہ بدترین شخص ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لئے لوگ تعظیم کرتے ہیں۔“

شافعی علیہ الرحمۃ کے اشعار ہیں یہ

لما عفوت ولم احقد علی احد

ارحت نفسی من ہم المعادات

(میرا معاف کرنا اور کسی سے کینہ نہ رکھنا اور حقیقت اپنے آپ کو عداوت کے غم سے آزاد رکھنا ہے)

افی اجبی عدوی عند رویتیہ

لادفع الشرعنی بالتحیات

(میں اپنے دشمن کو دیکھ کر اس کی آؤ بھگت کرتا ہوں تاکہ اس آؤ بھگت سے اس کے شر کو دور کروں)

واظہر البشر لانا البغضہ

کاتہ قد احش قلبی بالمسرات

لہ یہ مصرع غلط ہے غالباً ایسا ہو سکتا ہے: ”کان قلبی احش بالمسرات“۔

(میں ایسے انسان سے خوشی کا اظہار کرتا ہوں جس سے میرا دل صاف نہیں ہے
اس طرح کہ گویا میرا دل مسرتوں سے پُر ہو گیا ہے)

ولست اسلم ممن لست اعرفه

فكيف اسلم من اهل السودات

(میں ایسے شخص سے بچ نہیں سکتا جس کو میں نہیں جانتا۔ پھر میں اس
شخص سے یکے بچ سکتا ہوں جو میرا دوست ہے)

الناس داء دواء الناس تركهم

وفي الجفاء لهم قطع الاخوات

(لوگ ایک بیماری ہیں اور اس کی دوا یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور
چھوڑنے میں قطع اخوت ہے)

منجد اس کے اوباشوں سے ان کی حیثیت اور مقدار عقل کی بموجب میل جولی
رکھا جائے اور اس میں ادب یہ ہے کہ ان کی شرارتوں سے سلامتی مطلوب ہو۔

تعد والذئاب من لا كلاب له

وتتقى رايض المستأسد الحامى

(بھیڑیئے اس شخص پر حملہ کرتے ہیں جس کے پاس کتے نہ ہوں اور ایسے
شخص کے بارے میں جانے سے ڈرتے ہیں جو کتوں کو ان پر چھوڑنے

اور اپنی حفاظت کرنے والا ہو)

اور منجد اس کے اس شخص کا ذکر جس میں کوئی حیب ہو جس سے اس کو کراہت ہو
اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب جو مشہور ہیں ذکر کرے تاکہ چھپے ہوئے
عیوب کی پردہ دری نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس موجود تھیں کہ عتبہ بن حصین بغیر اذن کے آیا آپ نے پوچھا کہ استئذان

لہ اجازت گھر میں داخل ہونے کی۔

کہاں گیا۔ اس نے کہا جب سے مجھ کو ہوش آئے ہیں۔ قبیلہ مضر کے کسی شخص سے ملنے کے لئے اجازت نہیں لی۔ جب وہ واپس ہوا تو میں نے پوچھا یہ کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا: احمق ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔

ایک عورت نے اپنے نکاح کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص بخیل ہے اور دوسرا لٹھیلے پھرتا ہے (یعنی کج خلق ہے) نیز آپ نے فرمایا: صفوان کی زبان بُری ہے لیکن دل اچھا ہے۔

مجھ اس کے شعراء اور ان جیسے اشخاص سے مواسات و موافقت کی جائے اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ ان سے اپنی ابرو کا بچاؤ اور دین کی سلامتی مقصود ہو اور ان کے سوال کو پورا کیا جائے اور جو وہ چاہتے ہیں کچھ نہ کچھ ان کو دیا جائے تاکہ اقراء و بہتان کے متحرک نہ ہوں۔

اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان جس چیز سے اپنی ابرو بچائے وہ صدقہ روایت ہے کہ بعض شعراء اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے اشعار سنائے جن میں (غزوہ حنین کے) مالِ غنیمت کا ذکر تھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

انفسہم نہبی و نہب العبید

بین عینیۃ و الافرع

(کیا تم میری ٹوٹ اور غلاموں کی ٹوٹ کو حنیئہ اور افرع کے درمیان تقسیم کرتے ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی زبان کو مجھ سے قطع کرو (مراد یہ ہے کہ میری مذمت اس کی زبان سے نہ کہلو) جس پر اس کو پانچ اونٹ دیئے گئے۔

ابن صفوان:۔ اس نام کے کئی صحابی اور تابعی گزرے ہیں۔ نہ معلوم مصنف کی مراد کن صفوان سے ہے ممکن ہے صفوان بن امیہ سے ہو جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اور ان کی اولاد بہت سی حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

روایت ہے کہ کعب بن زبیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تھی جس پر اس کے
عنون کو ہدر کر دیا گیا تھا، پھر وہ مسلمان ہو کر آئے اور اپنے مشہور قصیدہ سے آپ کی تعریف
کی جس کے یہ شعر ہیں ۔

بانت سعاد قلعی الیوم متبول
متمم اثرها لم یقدر یکفول
نبئت ان رسول الله اوعدنی
والعفو عند رسول الله مامول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی چادر اوڑھا دی جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ
عنه نے کعب سے خرید لی تھی جس کو آج تک خلفاء پہنتے ہیں ۔

منجد اس کے جو چہ نچھا کر کی جائے اس کا لوٹنا اور اس میں ادب یہ ہے کہ لاچ سے
دور اور اپنے دوست کو خوش کرنا مقصود ہو ۔

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں ایک انصاری کی تقریب نکاح میں شریک ہوا
اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے تھے اور نکاح کے بعد آپ نے ان کو
وعادی کہ ”الفتہ اور بھلائی سے بسر کرو اور یہ تقریب تمہارے لئے نیک فال ہو۔“ اس
کے بعد فرمایا : ”اپنے ساتھی پر کچھ نچھا کر کرو یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک طبق لے آئے
جس میں میوہ اور شربتی تھی اور وہ نچھا کر کے لگے جتنے لوگ موجود تھے وہ خاموش رہے

لہ معاویہ بن ابی سفیان : صحابی ہیں ۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے ۔ شام کے گورنر رہے ۔ بعد میں
خلیفہ ہو گئے ۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۶۰ھ میں وفات پائی ۔

لہ معاذ بن جبلؓ بڑے پایہ کے صحابی ہیں ۔ بیت عقبہ کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی ۔ صحابہ
میں بڑے عالم اور فقیہ مانے جاتے ہیں ۔ آنحضرتؐ ان کو بہت چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ
میری امت میں علال و حرام کو سب زیادہ جاننے والا معاذ ہے ۔ آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کر کے
بھیجا تھا ۔ اردن میں طاعون سے ۱۸ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی عمر صرف ۲۵ سال کی تھی ۔ (مرآۃ الحاصل جلد ۱)

اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہارا لوٹنا اس موقع پر منافی حکم نہ تھا۔“ لوگوں نے کہا کہ فلاں دن آپ نے ہم کو لوٹنے سے منع فرمایا تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں نے تم کو غنیمت کے لوٹنے سے منع کیا تھا نہ کہ شادی کے موقع پر لوٹنے سے۔“ پھر فرمایا: ”آؤ ہم سب مل کر لوٹیں۔“ معاذ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ہمارے پاس سے بھپٹ رہے تھے اور ہم آپ کے پاس سے گزر رہے تھے اور منجملہ اس کے افتخار اور اظہار دعویٰ ہے اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ لیکن اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو

اور یہی غلبہ حال کے وقت یا کسی حریف کی منافرت کے مقابلہ میں ہونی چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ حال کے وقت فرمایا: ”میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے۔“ آدم اور ان سے کمتر (نبی) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ ”اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو سوائے میری پیروی کے چارہ نہ ہوتا۔“ اور جب آپ اپنے نفس کی جانب رجوع فرماتے تو کہتے: ”میں ایک عورت کا لڑکا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ میں ایک بندہ ہوں۔ میں اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح کہ ایک بندہ کھاتا ہے۔“ تم مطمئن رہو۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں بندہ ہوں۔“

لیکن حریف کے مقابلہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی تمیم کا وفد اپنے شاعر اور خطیب کے ساتھ تفاخر کے لیے آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو بلایا جو آپ کے خطیب تھے۔ انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں نکاح کے بعد مصری بادام لٹانے کا جو طریقہ ہے وہ اسی بنا پر ہے لیکن آج کل لڑکے اس میں بہت بدتمیزی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر گرتے ہیں جس میں بعض وقت چھوٹے بچوں کو چوٹیں آجاتی ہیں ایسا نہ ہونا چاہئے۔

کہ ثابت بن قیس ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ تمام مشاہد میں آپ کے ساتھ شریک ہے۔ ان حضرت نے ان کی عیادت بھی فرمائی۔ یہ امام کی لڑائی میں ۱۲ھ میں بزمانہ خلافت حضرت ابو بکر فوت ہوئے۔

اور ان پر غلبہ حاصل کیا اور حسان بن ثابتؓ کو بلایا جو آپ کے شاعر تھے۔ انہوں نے بھی جواب دیا اور اپنے قصیدہ میں کہا : ۛ

نہی دارم لا تفخروا ان فخرکم یعود وبالا عند ذکر المکام
اے نبی دارم فخر مت کرو کیونکہ تمہارا فخر تم پر وبال ہو جائیگا جب کہ مکام کا ذکر آئے گا،

انتم علینا تفخرون وانتم لنا خول من بین وخدام
دیکھو تم ہم پر فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے خادموں منجملہ اور خادموں کے ہو

آنحضرتؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ ”اے دارم کے بھائیو! میں اس موقع پر اس چیز کو بیان کرنا نہیں چاہتا جس کو میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں نے بھلا دیا ہو“ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا ان لوگوں پر حسان کے شعر سے بھی زیادہ سخت تھا۔ وہ سب مغلوب و مغلوبہ تھے پھر اسلام لائے آپ نے ان کے ساتھ احسان کیا اور ان کو کپڑے پہنائے۔

منجملہ اس کے غصہ ہونا اور منہ پر ہونا ہے ایسے موقع پر کہ ان باتوں کی قولا و عقلا برداشت نہ کی جاسکتی ہو اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ غصہ کوئی اور بدترین بھی سے احتیاج کرے اور حق کے حدود کا لحاظ رکھے اور ظلم تک تجاوز نہ کرے کیونکہ غصہ اگر غالب ہو جائے تو وہ عقل کو مغلوب کر لیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا یحییٰ اللہ المجہر بالستور من
انقول الا من ظلم۔
اللہ کسی کی بری بات کا اظہار پسند نہیں کرتا
مگر اس شخص سے جس پر ظلم ہوا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس مومن کو برائی کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا تو اسی پر اس کا گناہ ہے۔“
حضرت شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور وہ غصہ نہ کرے تو وہ گدھا ہے۔“
جس کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ راضی نہ ہو تو وہ شیطان ہے۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
والذین اذا اصابہم البغی وہ لوگ جن سے نافرمانی کی جائے تو وہ انکے
ہم ینتصرون۔
دفع کرنے کیلئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں یہ معنی بتائے گئے ہیں کہ وہ لوگ ذلیل ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے اور جب قدرت پانے تو مومن کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك
 ما علیہم من سبیل -
 اور بیشک وہ شخص جو ظلم کے بعد بدلے
 تو اس پر کوئی دارو گیر نہیں ہے۔

اور اس بات کی کوشش کرے کہ غیظ و غضب اپنے نفس کے لیے نہ ہو بلکہ دوسروں کے لئے ہو اور
 اس میں بھی حق جوئی مطلوب ہو۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے نفس کیلئے
 انتقام نہیں لیا مگر جب کہ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کی ہتک حرمت ہو تو اس وقت آپ نے اللہ کیلئے
 انتقام لیا ہے۔ بعض علماء سے کہا گیا کہ آپ اپنے لئے تو تحمل فرماتے ہیں لیکن اپنے دوست کیلئے
 نہیں فرماتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری برداشت اپنے لیے علم ہے لیکن دست کیلئے قابلِ ملامت۔
 پھر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مذہب (تصوف) کے احوال اور مقامات ہیں، آدابِ انفاق
 ہیں اور خصلتیں ہیں اور نصیحتیں ادنیٰ درجہ ہیں جس شخص نے ان تمام پر عمل کیا وہ محقق ہے اور جس نے صرف
 ظاہر پر عمل کیا وہ پابندِ رسوم ہوا۔ اور جس نے خصلتوں کو اختیار کیا وہ صوفیہ کے مشابہ ہوا جس کے
 متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کیا تو وہ ان ہی
 میں سے ہے اور جس نے کسی قوم کی تعداد بڑھائی وہ ان ہی میں سے ہے اور یہ اسی وقت ہے کہ ان
 تین اصول پر کار بند ہو جس کے متعلق مشائخ کرام نے اجماع کیا ہے جس شخص نے ان میں سے کسی
 میں خلل پیدا کیا یا ان میں کسی کا ساتھ چھوڑ دیا تو اس نے احکام مذہب سے خروج کیا اور اس کا عاری ہو گیا؛
 (۱) اور وہ فرائض کا ادا کرنا ہے چاہے دشوار ہو یا آسان (۲) اور حرام چیزوں سے اجتناب خواہ
 وہ چھوٹے ہوں یا بڑے (۳) اور دنیا کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ دینا کم ہو یا زیادہ۔

بجز اس کے کہ وہ مومن کے لیے لادہی ہو اور وہ وہ ہے جس کو ان حضرات نے مستثنیٰ فرمایا ہے
 آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ چار چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جو دنیا میں شمار نہیں کی جاسکتیں؛
 (۱) روٹی کا ٹکڑا جس سے تم اپنی بھوک کو دور کر سکو (۲) پٹر (جس سے تم اپنی ستر پوشی کرتے ہو) (۳) گھر
 جس سے تم سردی اور گرمی سے بچ سکو (۴) اور نیک ستر جس سے تم سکون حاصل کر سکو اسکے سوا جو کچھ ہے اس میں اس کا
 حق نہیں ہے۔ حضرت عبید رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس دنیا میں
 سوائے گٹھلی چرنے کے کچھ نہ رہا ہو کیا اس پر تصوف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا: مکاتب
 (وہ غلام جو مزدوری کر کے ایک مقررہ رقم اکٹھا کرنے کے بعد آزادی حاصل کرتا ہے) جیت تک کہ اس پر
 ایک رقم بھی باقی ہے مکاتب ہے۔

جو شخص مذکور بالا اصول کو اپنے اوپر لازم کر لے تو وہ مذہب صوفیہ کے متبذیوں میں ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ اس آگے بڑھنے کیلئے مجاہد اور بلند احوال پر ترقی کرنے کی کوشش کرنا ہے تاکہ محققین میں اس کا شمار ہو۔ بعض شائع کلام نے فرمایا کہ جس شخص کو مصیبتوں کا جھیلنا شاق گزرے وہ بلند احوال تک ترقی نہیں کر سکتا اور ایسا شخص مزانِ راہِ خدا کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وان لو استقاموا علی الطریقتہ۔ اگر وہ اس طریقہ پر جم جائیں تو ہم ان کو خوب لاسقینا ہم ماء عندنا۔ پانی پلا کر سیراب کر سکیں گے۔

اور جو شخص ان اصول سے یا ان میں سے بعض سے علیحدگی اختیار کرے اور درجہ رخصت سے بھی گر جائے اور اس کے مذکورہ آداب کو ترک کر دے تو اس نے مذہب صوفیہ کو چھوڑ دیا اور اس دور ہو گیا اس لئے اس کے ساتھ رہنا یا اس کے ساتھ دینا حرام ہے اور جماعت کو چاہئے کہ اس کو اپنے زمرہ سے نکال باہر کرے اور اس کو رسوا کرے اور جو شخص جماعت میں سے کسی چیز میں اس کے ساتھ ملامت (ذمہ) اختیار کرے تو وہ اس کا اس عار میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن یولہم فاشہ منہم۔ جو ان سے دوستی کرے تو وہ ان ہی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو سچا بنائے اور محققین سے جا ملائے اور ہم کوشش باقوت جو ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں بچائے اور ہم کو رضائے الہی پوشیدہ و آشکارا طلب کرنے کی توفیق دے اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے اس سے ہم کو اور مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اس کو ہمارے لئے اور جو اس کو دیکھے اس کے لئے وبال نہ بنائے اور ہمارے فائدہ کو صرف جمع کرنے اور حفظ کرنے کی حد تک محدود نہ رکھے بلکہ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خدا نے عز اسمہ ہم سے قریب اور دعا کو قبول کرنے والا ہے اور آخر میں مستحب امر اللہ کی تعریف ہے جو ایک ہے اور درود ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تمام آل پر۔

تمت بالخیر

کتبہ: محمد شریف گل

اشاریه

- ابراهیم بن محمد رسول الله: ۱۵۲
 ابراهیم بن علیہ السلام، حضرت: ۱۵۱، ۶۹
 ابراهیم بن شیبان: ۹۶، ۶۴
 ابن بختری: ۸۰
 ابن عباس: ۱۲۶، ۹۸
 ابن عمر: ۲۳
 ابن عطاء، ابوالعباس: ۱۳۲، ۶۸، ۶۱
 ابن مبارک: ۲۲
 ابوبکر صدیق رضی الله عنه، ۱۳، ۵۰، ۲۳، ۵۱، ۵۱
 ۱۵۲، ۱۴۶
 ابوبکر دینوری: ۱۳۵
 ابوبکر شیبلی: ۱۳۲، ۳۳، ۵۰، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۳۱
 ابوبکر کنانی: ۳۴
 ابوبکر واسطی: ۱۳۲، ابوبکر وراق: ۵۶
 ابوزاب نیشی: ۸۴
 ابو حاتم عطار: ۹۱
 ابو حفص حذاف: ۳۱، ۹۲، ۸۰
 ابو حفص نیشابوری: ۵۸، ۸۳، ۱۱۸
 ابو ذر غفاری: ۱۳۱
 ابو زرین: ۸۳
 ابوسعید خدری: ۱۲۱
 ابوشجاع کرمانی: ۶۹
 ابو یوسف: ۶۹
 ابو عبد الله محمد بن عطار و دباری: ۲۶
 ابو عبد الله خلیف: ۱۶۹، ۳۱
 ابو عباس بنیاد وندی: ۱۱۹
 ابو عبد الرحمن سلمی: ۱۰۹
 ابو عبیده انصاری: ۲۵
 ابوشامه بصری: ۱۲۳، ۴۴
 ابو علی رودباری: ۱۰۵، ۴۸
 ابو عمر جانی: ۶۹، ۵۳
- ابو نفیس، وکیع بن زید النون مصری
 ابوالفضل سلج: ۱۰۸
 ابوهیریه: ۴۴، ۸۹، ۹۳، ۹۴، ۱۱۳، ۱۳۲، ۱۳۶
 ابوزید بسطامی: ۱۰۰، ۴۴، ۳۵
 ابویقوب سوسی: ۸۸
 ابویقوب نهرجوری: ۷۲
 احمد بن خضرویه: ۱۲۳
 اتم ایمن: ۱۵۲
 انس بن مالک: ۶۳، ۷۳
 ایوب بن علیہ السلام، حضرت: ۱۲۲
 بایزید بسطامی، وکیع بن زید بسطامی
 بنیعت نصر: ۶۸
 بشیر بن عمارت، بشر حافی: ۹۰، ۹۳، ۱۱۵
 ثابت بن قیس: ۱۵۷
 ثوری، سیفان بن سعید: ۴۲، ۴۳
 جابر بن عبد الله: ۹۵
 جابر بن سمره: ۱۲۵
 جریری، ابو محمد احمد بن محمد حسین: ۵۲، ۱۲۳
 جعفر بن ابی طالب: ۲۵
 جعفر صادق: ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۵۱
 جعفی، حسین: ۳۳
 جنید، بغدادی: ۲۳، ۳۱، ۳۳، ۳۴
 ۴۴، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸
 ۵۳، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶
 ۱۰۰، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۳۳
 ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۵۹

حجاج بن یوسف ثقفی : ۶۷

حریری : ۱۲۳، ۹۱

حسان بن ثابت : ۱۵۸

حسن بصری : ۱۶، ۶۶، ۷۹، ۹۶، ۱۲۵

حسین بن علی : ۱۳۱

حسین بن منصور، علاج : ۸۷

حصیری، ابو جعفر، نیشاپوری : ۱۰۹

خیرالشیخ، ابوالحسن محمد بن اسماعیل، ویکھیں کتاب

خواجہ گیسو دلاز : ۵، ۶، ۸، ۱۲، ۱۴، ۲۱، ۲۶، ۲۷

۳۶، ۳۸، ۴۴، ۵۵، ۶۸، ۸۲

۱۰۳، ۱۲۰، ۱۲۶، ۱۳۷

وانیال، حضرت : ۶۸

داؤد، حضرت : ۲۵، ۹۳، ۹۹، ۱۵۲

داؤد رقی : ۷۷

داؤد طائی : ۳۲

ذقاق، ابو جعفر محمد بن احمد : ۷۷

دوبلی، ابو محمد : ۱۲۴

ذوالنون مصری : ۸۱، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۲۱

۱۲۹، ۱۳۵

دیویم، ابن احمد : ۳۱، ۹۶، ۹۳، ۱۲۳

زلیخا : ۳۰

زید بن اسلم : ۶۸

زید بن حارث : ۲۵

سرتی سقطی : ۳۱، ۷۳، ۱۰۳

سفیان ثوری، ویکھیں ثوری

سفیان بن عیینہ : ۶۰

سلمان فارسی : ۸۰، ۱۰۱

سیلمان، حضرت : ۱۲۱

سیلم بن عبداللہ، تسری : ۳۵، ۹۶

شافعی، امام : ۴۶، ۱۵۳

شاہ بن سراج : ویکھیں ابوشجاع

شعبی، ویکھیں ابوبکر شعبی

شعبی : ۶۵

صہبی، ابواسحاق : ۱۱۰

صفوان : ۱۵۵

عائشہ صدیقہ، ام المؤمنین : ۲۲، ۳۳، ۵۳

۶۰، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۳۵، ۱۵۳

۱۵۴

عباس بن عبدالمطلب : ۶۱، ۶۲

عبداللہ بن نفیع : ۸۶، ۱۰۸

عبداللہ بن عمرو بن عاص : ۱۲۶

عبدالملک بن مروان : ۱۲۶

غنیہ بن حصین : ۱۵۴

عثمان بن عفان : ۱۴، ۶۱، ۶۲

عمر بن حاتم : ۸۵

علی بن ابی طالب : ۱۴، ۲۵، ۵۲، ۵۵

۱۱۶، ۱۱۷، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۹

عمرو بن عاص : ۱۲۶

علی بن بشیر : ۷۵، ۹۲

علی بن سہل : ۱۲۳

عمر بن خطاب : ۱۴، ۲۳، ۶۰، ۶۱، ۶۲

۸۹، ۱۰۲، ۱۳۴، ۱۴۷، ۱۴۸

سوان بن حصین : ۱۴۴

فاطمہ بنت محمد رسول اللہ : ۱۱۶

قبر : ۱۴۸

۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱،

۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶،

۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰،

معاذ بن جبل : ۱۵۶

معاذ بن ابی سفیان : ۱۵۶

مشاء و دیوری : ۱۰۷، ۱۱۸، ۱۲۱،

موسیٰ، حضرت : ۱۴۶

میمن بن مهران : ۱۱۵

نساج : ۱۲۳

نصیر آبادی : ۱۰۴

نوح، حضرت : ۵۹

هشتم بن تیمان : ۱۴۲، ۱۴۷

یحییٰ بن خالد : ۱۴۸

یحییٰ بن معاذ : ۹۷

یوسف، حضرت : ۱۲۸

یوسف بن حسین : ۸۱

★ ★ ★

کعب بن مالک : ۸۶، ۱۴۹

کلب سخاوی : ۱۲۱

فخا بن حیر : ۱۰۱

مجنون عامری، قیس : ۱۲۸

محمد بن سلمه : ۵۰

محمد بن واسع : ۳۲

منصور، ابو جعفر : ۱۵۱

محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم : ۱۵۱، ۱۵۲

۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰،

۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰،

۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰،

۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰،

۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰،

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰،

۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰،

۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰،

۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰،

۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰،

۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰،